معارف کے گذشتہ سالوں کے مکمل فائل

اور

متفرق پرچے

معارف علوم و معارف کا گنجینہ، مشرق و مغربی علوم و فنون کا دائرۃ المعارف اور ہزاروں علمی، ادبی، تنقیدی، تاریخی، فقہی، دینی مضامین، اور تحقیقات کا ایک دلآویز مجموعہ، اس کی اسی دلآویزی، اور اہمیت کی بنا پر اس کا آوازۂ شہرت ہندوستان کی چار دیواری سے گذر کر یورپ و امریکہ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں تک پہنچ گیا ہے، مشرقیات کے جن غیر مسلم فضلاء نے غلط فہمی کی بنا پر جب جب بھی اسلام پر اعتراضات کئے تو سید صاحب اور ان کی نگرانی میں دار المصنفین کے رفقاء محققین نے اُن کے دندان شکن جوابات اسی کے صفحات پر دئے ہیں متفرق پرچوں کے علاوہ حسب ذیل رسالوں کے فائل تو مکمل موجود ہیں،

۱۹۲۹ء - ۱۹۳۴ء - ۱۹۳۶ء ۔ ۱۹۳۷ - ۱۹۳۸ - ۱۹۳۹ء

۱۹۴۱ء - ۱۹۵۴ء - ۱۹۵۵ء - مع سلیمان نمبر، ۱۹۷۱ء -

ان کو خرید کر اپنے کتب خانہ کی رونق بڑھائیں،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۱۱۷ ماہ اپریل ۱۹۷۶ء مطابق ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ عدد ۴

مضامین

شذرات

کچھ عرصہ ہوا معاشی مسائل پر غور کرنے کے لئے سعودی عرب میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں علمائے اسلام کے ساتھ وہ ماہرینِ فن بھی شریک تھے جو تجارت و معیشت کی نئی راہوں سے واقف اور ان پیچیدہ مالی معاملات سے باخبر ہیں جن سے آج کل حکومتیں بھی دوچار ہیں اور کاروباری اشخاص بھی، اس اجتماع کا مقصد یہ تھا کہ صاحبِ نظر معاشیین موجودہ زمانہ کے معاشی مسائل علماء کے سامنے پیش کریں، اور علماء اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اُن پر غور کریں پھر باہمی مشورہ سے ان مشکلات کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ حل کریں کہ حکومتوں کی دشواریاں بھی دور ہو جائیں، اور کاروباری حلقوں کی مشکلیں بھی آسان ہو جائیں، ساتھ ہی دنیا کو نظر آجائے کہ اسلام عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے، کانفرنس کے مباحث سے اگرچہ ٹھوس و قطعی نتائج برآمد نہیں ہوئے لیکن جدید و قدیم کے درمیان تبادلہ خیالات کی داغ بیل پڑ گئی ہے،

اس کانفرنس کے بعد ابھی حال میں خبر آئی ہے کہ مکہ معظمہ میں جامعہ ملک عبد العزیز کے زیرِ اہتمام ایک بین الاقوامی قانونی کانفرنس عنقریب ہونے والی ہے، قانونی مباحث معاشی مسائل سے بھی زیادہ نازک ہوتے ہیں، قانون دانوں کی باریک بینی اور موشگافی ضرب المثل ہے، اُن کی تنقیح و تشریح کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں، پھر جب اسلامی قانون کی نئی تعبیر اور عصرِ حاضر میں اس کے انطباق کا سوال ہو تو یہ نزاکت اور بڑھ جاتی ہے، یہاں بھی فقہائے اسلام کو نئے قانون سازوں اور شرعی قاضیوں کو جدید ججوں کے نقطۂ نظر کو سمجھنا پڑے گا، پھر مل جل کر کتاب و سنت کی روشنی میں فکر کی نئی بنیادیں اور عمل کی نئی راہیں تلاش کرنی پڑیں گی، تاکہ مسلمانوں پر اسلام کی گرفت قائم رہے، اور انھیں انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی قانون

پر عمل میں کوئی دشواری محسوس نہ ہو،

آج کل لندن میں بھی ایک انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس ہو رہی ہے، اس کے داعیوں کے سامنے بھی عصرِ حاضر کا چیلنج ہے، انھوں نے صاحبِ بصیرت علماء، صاحبِ نظر جدید تعلیم یافتہ اصحاب اور زمانہ کے تقاضوں سے باخبر رہنماؤں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس کانفرنس میں شریک ہو کر اسلام کی لازوال تعلیمات کی روشنی میں دنیا کی موجودہ الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش کریں، خدا کرے یہ کانفرنس اپنے مقصد میں کامیاب ہو، موجودہ زمانہ کی مشکلوں کو حل کرنے کے لئے ایک طرف عصرِ حاضر کے تقاضوں کو گہرائی میں اتر کر سمجھنا پڑے گا، دوسری طرف ہر قسم کے تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر کتاب و سنت کا مطالعہ کرنا پڑے گا، اسی کے ساتھ سلف صالحین کی اجتہادی کوششوں کو بھی سامنے رکھنا پڑیگا، علم و صلاحیت کی کمی، اور فکر و نظر کی کوتاہی کی بنا پر مدتوں مسلمانوں کی نئی اور پرانی نسل کے درمیان کشمکش برپا رہی، بالآخر نوجوانوں کا ذہن مذہب کی گرفت سے آزاد ہو گیا اور وہ دین سے بے نیاز ہو کر دنیا کے انتظامات میں لگ گئے، اب انھیں اس راہ سے ہٹانے کے لئے صرف زبان سے، اسلام کی برتری کا دعویٰ کافی نہیں ہے، بلکہ تہذیب و معاشرت، سیاست و معیشت اور نظمِ مملکت و نظام مالیات میں اسلامی اصولوں کو بروئے کار لا کر اُن کی فوقیت کا نقش اُن کے ذہن میں جما دینے کی ضرورت ہے، خدا کرے یہ کانفرنس اس مقصد میں کامیاب ہو،

اس سلسلہ میں پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانگریس بھی قابلِ ذکر ہے، اس میں مسلمانوں کے قدیم و جدید طبقہ کے علاوہ اسلام اور تاریخِ اسلام سے واقف غیر مسلم اہلِ علم بھی شریک ہوئے تھے، ہندوستان سے مولانا محمد طیب، حکیم عبد الحمید، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، اور دار المصنفین کے ناظم سید صباح الدین عبد الرحمن بھی حکومتِ ہند کی اجازت سے اس کانگریس میں شریک ہوئے اور مضامین پڑھے، اس کی مفصل روداد اسی معارف میں شائع کی جا رہی ہے،

علمی اور اسلامی حلقے ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی سے خوب واقف ہیں، اُن کا عربی زبان اور اسلامی علوم

کا مطالعہ بہت وسیع تھا، اُن کے مقالات اور کتابیں اہلِ علم کے حلقہ میں قدر کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں، تدوینِ حدیث پر اُن کی کتاب الیسر الحثیث بڑی محققانہ سمجھی جاتی ہے تصنیف و تالیف کے ساتھ اُن کی زندگی کا بڑا حصہ تعلیم و تدریس میں گذرا، پہلے کئی برس لکھنو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے وابستہ رہے پھر کلکتہ چلے گئے، اور تقریباً ۳۳ سال تک اسلامی تاریخ و تہذیب اور عربی و فارسی زبانوں کی تدریس و تحقیق میں مصروف رہے، عرصہ تک مدرسۂ عالیہ کے صدر ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر اور ملک کی بہت سی یونیورسٹیوں اور علمی اداروں کے رکن بھی رہے، افسوس ہے کہ ۸ / مارچ کو علم کا یہ چراغ گل ہو گیا، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں اور نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور اُن کے عزیزوں، دوستوں اور شاگردوں کو صبر عطا فرمائے، اور اُن کی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے،

میاں مہر محمد خاں شہاب کی وفات بھی اہلِ علم کے حلقہ میں رنج و افسوس کے ساتھ سُنی جائیگی، وہ مالیر کوٹلہ کے رہنے والے تھے لیکن پچاس سال سے بمبئی میں قیام تھا، اردو فارسی، عربی اور انگریزی سے خوب واقف تھے، ہندی بھی جانتے تھے، اور مرہٹی سے بھی ایک حد تک مانوس تھے، ان کی زندگی علمی کمال کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے بھی آراستہ تھی، وقت کے التزام اور معمولات کی پابندی میں بے نظیر تھے، وہ بڑے منکسر المزاج تھے لیکن کبھی خودداری پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے، وہ خوردوں کے ساتھ بڑی محبت و شفقت کے ساتھ ملتے تھے، مگر اس کے باوجود خوردوں کے دل اُن کی عظمت کے احساس سے لبریز رہتے تھے، زندگی بھر دوسروں کے ساتھ سلوک کرتے رہے، مگر چار گز کفن کے لئے بھی کسی کا احسان گوارا نہیں کیا، دار المصنفین کے بڑے قدر داں تھے، اور اُس کے کارکنوں سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے، اللہ اُن کی روح کو اپنی رحمت و مغفرت سے شاد فرمائے، اور اُن کی صاحبزادی دونوں صاحبزادوں، عزیزوں اور دوستوں کو صبر عطا فرمائے، اور اُن کی پاکیزہ زندگی کی تقلید کی توفیق نصیب فرمائے،

مقالات

ندوہ کی تاریخ کا ابتدائی ورق

از مولانا فضل اللہ سابق استاذ اسلامیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد،

مولانا فضل اللہ ندوہ کے ناظم اول مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ کے پوتے ہیں ان کے والد مولانا احمد علی مولانا کے بڑے ہونہار اور لائق فرزند تھے، ان سے بڑی توقعات وابستہ تھیں لیکن عین عنفوان شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے، وفات کے وقت مولانا فضل اللہ صاحب بہت چھوٹے تھے، دادا نے بڑی شفقت و محبت سے پرورش کی، انھیں ان کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا بہت موقع ملا اس وقت شاید ہی کوئی شخص ہو جو بذات خود مولانا محمد علی رحمہ اللہ کے حالات سے واقفیت میں ان کی برابری کر سکے۔

ندوہ کی ابتدائی تاریخ کے بعض گوشے غیر واضح ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقائع نگار واقعات اور ان کے علل و اسباب کے بیان میں کچھ گریز و اغماض سے کام لے رہے ہیں، انگریزی حکومت کا دور زمانہ تھا بھی ایسا ہی قلم مشکل سے حق نگاری کی جرأت کر پاتا تھا، مولانا محمد علی رحمہ اللہ نے جس ذوق و شوق، اور جوش و ولولہ سے ندوہ کی تحریک شروع کی تھی اس کے بعد چند ہی برس میں ان کا مستعفی ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا ہے، دو تین مہینے ہوئے علی گڑھ میں مولانا فضل اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو یہ مسئلہ میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے حالات اور ان کا پس منظر اس طرح بیان کیا کہ سارے عقدے کھل گئے، ذیل کی

سطور ان کے اسی بیان کی روشنی میں مرتب کی گئی ہیں۔

(عبدالسلام قدوائی)

میرے پھوپھا مولوی سید محمود علی صاحب مالک مطبع محمود المطابع کان پور، مولانا احمد حسن کان پوری، اور مولانا نور محمد پنجابی (ثم فتحپوری) کے چہیتے شاگردوں میں تھے، ان کے ذریعہ دادا صاحب (مولانا محمد علی) رحمۃ اللہ علیہ اور والد صاحب (مولانا محمود علی) مرحوم کے علم اور درویشی کے واقعات مجھے بہت معلوم ہوئے، میرے ماموں قاری ظہور الدین صاحب پھلتی بھی کانپور میں رہ چکے تھے، یہ دونوں بیٹھتے تو ندوۃ العلماء کے ابتدائی واقعات کا تذکرہ گھنٹوں ہوتا رہتا۔

دادا صاحب (مولانا محمد علی) کا اصل وطن تو مظفر نگر کے ضلع میں تھا، مگر کچھ عرصہ سے کانپور میں رہنے لگے تھے، مونگیر میں قیام اس کے بہت بعد میں ہوا، اس زمانہ میں عیسائی مشنری جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے، عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد ہی میں شروع ہو چکی تھی، اور مناظرے بھی ہونے لگے تھے لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی حکومت کا اقتدار زیادہ مستحکم ہو گیا تو مشنریوں کی جدوجہد اور بڑھ گئی، اور تقریر و تحریر کے ذریعہ وہ اپنے خیالات کی اشاعت بڑے پیمانہ پر کرنے لگے، حکومت کے عہدہ داروں کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ تھیں، اس زمانہ میں صرف مرکز اور صوبوں کے سربراہ ہی انگریز نہیں ہوتے تھے، بلکہ وائسرائے، گورنر، لفٹنٹ گورنر، اور چیف کمشنر کے علاوہ ضلعوں کا انتظام بھی انگریز حکام ہی کے ہاتھوں میں ہوتا تھا، ان کے رعب اور دبدبہ کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے رئیس ان سے لرزہ براندام رہتے تھے، غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جس شدت کے ساتھ انتقامی کارروائیاں

کی گئی تھیں، اور ہندوستانیوں پر جو خوں چکاں مظالم کیے گئے تھے، انکی یاد سے بڑے بڑوں کے ہوش اڑ جاتے تھے، بغاوت کے سرغنہ مسلمان سمجھے گئے تھے، اس لئے انکی طرف خاص طور سے نگاہ غیظ تھی۔

ایسے خوفناک اور پریشان کن حالات اور ایسی دہشت انگیز فضا میں مشکل سے کسی کو زبان ہلانے کی ہمت ہوتی تھی، پھر مشنریوں کا جواب اور ان کی غلط بیانیوں کی تردید کا حوصلہ کون کرتا، لوگ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے، مگر کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اس صورت حال نے مشنریوں کی ہمت بڑھادی، وہ صرف اپنے مذہب کی خوبیاں نہیں بیان کرتے تھے بلکہ اسلام کی تردید بھی کرتے تھے، اور وہ بھی خاصے تیز الفاظ میں، یہ جارحانہ انداز اتنا بڑھا کہ ناموس رسالت بھی زد میں آگئی، اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس ذات کو بھی ہدف اعتراض بنانے لگے، پھوپھا صاحب (مولانا سید محمود علی) کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ایک مولوی عیسائی ہو گیا، عیسائیوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور پادری کا درجہ دیا۔ اس نے پادری احمد شاہ کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کے خلاف امہات المومنین کے نام سے ایک بڑی دلخراش کتاب لکھی، یہ کتاب اتنی دل آزار اور تکلیف دہ تھی کہ سارے ہندوستان میں آگ لگ گئی، تمام مسلمان بے چین ہو گئے، اور ہر حلقہ سے اس کے تدارک کی فکریں ہونے لگیں، اور جواب لکھے جانے لگے، اس زمانے میں ایک اور افسوس ناک واقعہ ہوا، کان پور کے ایک طبیب کے گھر میں ایک عیسائی عورت نے آنا جانا شروع کیا، رفتہ رفتہ تعلقات بڑھے، ان کی بہو نے اس سے پڑھنا شروع کیا دادا صاحب (مولانا محمد علی) نے حکیم صاحب کو مشنریوں کی ترکیبوں سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ گھر میں اس عورت کی آمد و رفت بند کر دیں، مگر حکیم صاحب کے گھر والوں

کی سمجھ میں بات نہ آئی اور اس عورت کی آمد و رفت جاری رہی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بہو اس مشنری عورت کے خیالات سے متاثر ہوگئی، اور اسلام چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا، اس واقعہ نے دادا صاحب کو بہت متاثر کیا، ان کے غم واندوہ کا یہ حال تھا کہ نہ احباب کی صحبت اچھی لگتی تھی، نہ گھر بار کی طرف توجہ تھی، نہ غذا کی فکر تھی، بات چیت بھی ترک کر دی تھی اور ہمہ وقت مشنریوں کے پروپیگنڈے کی تردید میں مصروف رہتے تھے، پادری احمد شاہ کی کتاب کا مدلل اور موثر جواب خود بھی لکھا اور اپنے رسالہ تحفۂ محمدیہ میں دوسروں کے مضامین بھی شائع کیے، ان کی کوششوں نے مسلمانوں کے مجروح دلوں کے لیے مرہم کا کام کیا۔

دادا صاحب (مولانا محمد علی) اس سے پہلے بھی عیسائیوں کے جواب میں متعدد کتابیں لکھ چکے تھے، اور ان کے غلط خیالات کی تردید میں نمایاں حصہ لیا تھا، اس بنا پر ان کے بارہ میں انگریز حکام کی رائے بہت خراب تھی، وہ چاہتے تھے کہ انکو سزا دیں لیکن اگر براہ راست اس قسم کی کاروائی کرتے تو لوگوں پر اس کا برا اثر ہوتا، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ کسی اخلاقی جرم میں ان کو ماخوذ کریں تاکہ گرفتاری کا موقع بھی ملے اور عوام الناس میں ان کا کیرکٹر بھی داغدار ہو جائے۔ اس زمانہ میں کانپور میں عبد الغفور، ایک ڈپٹی مجسٹریٹ تھے، جو ضلع میرٹھ کے ایک قصبہ باپجولی کے رہنے والے تھے، اعلیٰ انگریز حکام کی طرف سے ان کو اس کام پہ مامور کیا گیا، انھوں نے دادا صاحب (مولانا علی) کے یہاں معتقدانہ آنا جانا شروع کیا، اور آہستہ آہستہ اس آمد و رفت میں اضافہ کرتے رہے، یہاں تک کہ روزانہ کے حاضر باشوں میں شمار ہونے لگے، دادا کی خدمت میں ان کا تقرب اتنا بڑھا کہ بالالتزام انھیں چائے میں شریک کرتے اور اکثر

کھانا بھی ساتھ کھلاتے حضرت گھر کے اندر ہوتے تو پردہ کرا کر وہیں بلا لیتے، اور دیر تک باتیں کرتے رہتے۔

ایک دن حضرت (دادا صاحب) اندر ہی تشریف رکھتے تھے، ملازم نے آکر اطلاع دی کہ ڈپٹی صاحب آئے ہیں، حکم دیا کہ پردہ کرا دو اور ان کو یہیں بلا لو، ڈپٹی صاحب حاضر خدمت ہوئے تو چہرہ کا رنگ متغیر تھا، اور بشاشت کے بجائے افسردگی طاری تھی، رندھی آواز میں سلام کیا، حضرت نے پوچھا ڈپٹی صاحب کیا بات ہے، خیر تو ہے، آج آپ اتنے افسردہ کیوں ہیں، ڈپٹی صاحب خاموشی سے ان کی طرف بڑھے اور قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگے اور کہنے لگے، حضرت میں بڑا خطا کار ہوں، میں نے بڑا گناہ کیا ہے، مجھے معاف کر دیجئے، آپ نے پوچھا آپ نے کیا گناہ کیا ہے، کہا کس طرح عرض کروں کہ میں بڑے گندے کام میں مبتلا رہا، کئی مہینے سے اپنے ضمیر کے خلاف کام کر رہا ہوں، جب دادا صاحب (مولانا محمد علی) نے بہت اصرار کیا تو عرض کیا کہ حضرت میں بڑے برے ارادہ سے آپ کے یہاں آیا کرتا تھا، بڑی سنگدلی کا کام میرے سپرد کیا گیا تھا، اصرار کر کے دریافت کیا تو کہا کہ کلکٹر نے مجھے متعین کیا تھا، کہ آپ رد عیسائیت کا جو کام کر رہے ہیں اس کی سزا میں آپ کو جیل خانہ پہونچا دیا جائے، اور ایسا گندہ الزام لگایا جائے کہ آپ کی ساری عزت برباد ہو جائے۔ بہت سے لیڈر اخلاقی عیوب میں مبتلا ہوتے ہیں، کلکٹر صاحب نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کا تقرب حاصل کر کے آپ کی اخلاقی کمزوریوں کا پتہ لگاؤں، اور کسی عورت یا کسی لڑکے سے آپ کو ملوث بتا کر گرفتار کر لوں، مسلمانوں کے مختلف افراد اور جماعتیں آپ کے پاس اپنے خاندانی اور جماعتی جھگڑے طے کرانے آتے رہتے ہیں، ان

معاملات میں آپ کی کسی ایسی کوتاہی اور خیانت کا پتہ چلاؤں جس سے پولیس کو دست اندازی کا موقع ملے اس طرح آپ کی بے عزتی بھی ہو اور طویل مدت تک آپ مقدمات کے سلسلہ میں بھی مبتلا رہیں، تاکہ آپ مدتوں تک موجودہ مذہبی مشاغل کو انجام نہ دے سکیں۔

میں ان برے ارادوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا تھا، اسی غرض سے آپ کا تقرب حاصل کیا لیکن میں نے خلوت وجلوت میں آپ کی زندگی کو پاکیزہ اور پُرخلوص پایا، جیسے جیسے میں آپ کے حالات سے مطلع ہوتا گیا میری عقیدت بڑھتی گئی، چند دن میں عجیب کشمکش میں رہا، ایک طرف کلکٹر کی یہ خواہش کہ آپ کو کسی سنگین الزام میں گرفتار کردوں، اور دوسری طرف جذبۂ حق وصداقت کا تقاضا تھا کہ آپ کی نیکی، پاکیزگی اور عفت وراست بازی کی شہادت دوں، بالآخر میرے ضمیر کو فتح ہوئی اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ چاہے جو کچھ ہو میں آپ کے خلاف کچھ نہ لکھوں گا، کل میں نے جرأت کرکے بڑی مفصل رپورٹ حکومت کو بھیج دی ہے، اس میں واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ میں نے آپ کی زندگی کو خلوت وجلوت ہر حال میں بالکل پاک پایا ہے، آپ مالی معاملات میں بے لوث اور جنسی معاملات سے پاک ہیں، تنازعات کے سلجھانے میں بھی مخلص ہیں، اور اپنی ذات کے لیے کسی منفعت کے طلب گار نہیں ہیں، اس رپورٹ نے حکومت کو مایوس کردیا ہے، چنانچہ آج یہ حکم آگیا ہے، کہ جب صورت حال یہ ہے تو اب تمھاری وہاں کیا ضرورت ہے، لہٰذا تم اب اپنی سابق ڈیوٹی پر واپس آجاؤ، اس وقت میں آپ کی خدمت میں اپنے جرم کے لیے عفو کی درخواست لے کر آیا ہوں، میں بڑے خطرہ میں پڑ گیا تھا لیکن آپ کے فیض صحبت نے میرے

ضمیر کو بیدار کردیا، اللہ نے حق گوئی کی ہمت عطا فرمائی، اور میں گناہ کے جس دلدل میں پھنس گیا تھا، اس سے نکل آیا، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی دست گیری فرمائے اور میں دین وایمان پر ثابت قدم رہوں۔

ڈپٹی صاحب کی گفتگو سن کر حضرت پر گریہ طاری ہوا، دیر تک روتے رہے پھر فرمایا کہ ہماری بے بسی کا یہ حال ہوگیا ہے کہ دشمن صرف ہماری عزت ہی سے کھیلنے کی جرأت نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ہمارے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس پر بھی حملے کر رہے ہیں، ان کی پاکیزہ سیرت کو داغدار کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جھوٹے واقعات گڑھ گڑھ کر شائع کر رہے ہیں، اور ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ اس غلط بیانی کی تردید کرسکیں اور سیرت نبوی کے سچے حالات لکھ کر ان کی اشاعت کرسکیں، صرف اس خبر پر کہ محمد علی پادری احمد شاہ کی کتاب کا جواب لکھ رہا ہے انگریز میری جان اور عزت کے پیچھے پڑے ہیں، ایک طرف صورت حال یہ ہے، دوسری طرف مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، آپ نے مہربانی فرماکر خود پوچھا کہ محمد علی کیا حال ہے، میں نے عرض کیا کہ حضور ہماری بے بسی بے چارگی کا یہ حال ہے کہ آپ کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہے، اور ہم اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے ہیں، اب حضور اپنے پاس (مدینہ منورہ) بلالیں، میری اس گزارش کو سن کر ارشاد ہوا کہ جب تم یہاں موجود ہو تب یہ حال ہے پھر جب تم یہاں نہ رہوگے تو مسلمانوں کا کیا حال ہوگا، یہ جواب سن کر میری آنکھ کھل گئی، بتاؤ کہ ہم کیا کریں، اس پر ڈپٹی صاحب کچھ غور کرنے لگے اور اجازت چاہی کہ سوچنے کا موقع دیجیے، اس کے بعد عرض کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد ڈپٹی صاحب اپنے گھر چلے گئے، حالات پر غور کیا، پھر تنہائی میں آکر عرض کیا کہ انگریزوں کی قوم عجیب ہے، افراد کے بجائے یہ جماعت سے متاثر ہوتے ہیں، انفرادی طور پر کوئی کتنا ہی اہم ہو اور اسکی شخصیت کیسی ہی بڑی ہو یہ اسکا زیادہ اثر نہیں لیتے، لیکن ایک جماعت بناکر ان کے سامنے معاملات پیش کیے جائیں تو ان پر کان دھرتے ہیں، یہ سن کر دادا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کچھ اور تفصیل چاہی، انھوں نے عرض کیا ایک دو اور اپنے خاص دوستوں کو جو عاقل ذہین ہوں اور قانونی قابلیت بھی رکھتے ہوں اس مشورہ میں شریک کیجئے، پھر سب مل کر غور کریں، دادا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قانون داں اصحاب میں میرے دوست منشی اطہر علی ہیں، ڈپٹی صاحب ان کا نام سن کر بہت خوش ہو گئے، اور کہا ان کو بلا لیجیے، یا لکھنؤ تشریف لے چلیے، یاد پڑتا ہے کہ منشی اطہر علی صاحب کو کان پور ہی میں بلا لیا گیا، اور پھر گفتگو ہوئی۔

دادا صاحب (مولانا محمد علی) نے فرمایا کہ ہماری بے عزتی اور بے توقیری کا سبب ہماری نا اتفاقی ہے، اس نا اتفاقی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ضرورت مند جب کوئی مسئلہ علماء کے سامنے پیش کرتے ہیں، تو بعض اوقات ان کے جواب میں اختلاف ہوتا ہے، اور یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے فساد کی صورت اختیار کر لیتا ہے، لہذا ایسی کوئی تدبیر ہونی چاہئے کہ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہ ہونے پائے تاکہ عام مسلمان فتنہ وفساد سے محفوظ رہیں، آخر تجویز یہ ہوئی کہ ایک ایسا مرکزی دارالافتاء قائم کیا جائے جس کو تمام علماء کا اعتماد حاصل ہو جہاں سے مسلمان فتوی حاصل کیا کریں، علماء کے مختلف حلقوں میں مسائل کے اندر جو اختلافات صدیوں سے چلے آرہے ہیں

اور جو ان کے دین کا جزو بن گئے ہیں، عقائد و اعمال کے ان دیرینہ روایتی اختلافات کے بارہ میں رواداری سے کام لیا جائے، ہر ایک اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسرے کی تحقیر و تذلیل نہ کرے تاکہ من حیث القوم مسلمانوں کی وحدت قائم رہے، آپس میں تبادلۂ خیالات کے بعد طے پایا کہ ایک ایسی انجمن بنائی جائے جس میں مختلف حلقوں کے ایسے اکابر علماء شریک ہوں جن پر مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ ندوۃ العلماء کے قیام اور اس کے نام کی ابتدائی صورت تھی، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد مدرسہ فیض عام کی دستار بندی کا جلسہ ہوا اور کان پور اور باہر کے بہت سے علماء و مشائخ جمع ہوئے، اس موقع پر دادا صاحب نے ان حضرات کے سامنے یہ تجویز پیش کی اور سب نے پسند کی اور ندوۃ العلماء کے تخیل نے عمل کی صورت اختیار کی، اگلے سال خاص اس غرض سے اجتماع ہوا، اور باضابطہ کام شروع ہوگیا، رفتہ رفتہ زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں تغیر و اصلاح کی رائے ہوئی، تو دادا صاحب اس انجمن کے ناظم مقرر ہوئے۔

انجمن ندوۃ العلماء کے قیام کے بعد مسلمانوں میں اتحاد باہمی کا جذبہ بیدار ہوا، اور ایک متحدہ پلیٹ فارم بن جانے سے ان کی آواز میں اثر پیدا ہوا، لیکن انگریزی حکومت کو جس کی پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو تھی یہ متحدہ محاذ کس طرح پسند ہو سکتا تھا، اس کی طرف سے اس اتحاد میں رخنہ پیدا کرنے کی کوششیں ہونے لگیں، دادا صاحب نے اختلاف سے بچانے کی بہت کوشش کی مگر انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نے کچھ لوگوں کو برگشتہ کر ہی دیا، اور ادھر ادھر سے مخالفت کی آوازیں آنے لگیں۔

اس دوران میں دادا صاحب ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہے تھے، فرسٹ کلاس

میں تھے، اس ڈبہ میں ایک اونچے درجہ کا انگریز افسر بھی سوار تھا۔ نام حافظہ میں محفوظ نہیں رہا، شاید صیغۂ راز سے تعلق رکھتا تھا، اس زمانہ میں انگریز افسروں کو اردو کی تعلیم بھی دی جاتی تھی تاکہ وہ ہندوستانیوں سے بات چیت کر سکیں اور ملک کے حالات کو اچھی طرح سمجھ سکیں، اس انگریز سے دادا صاحب سے گفتگو ہونے لگی، دوران گفتگو اس نے کہا کہ آپ ایک ممتاز عالم اور شیخ طریقت ہیں، حکومت آپ کی مالی اعانت سے خوش ہوگی لیکن دادا صاحب نے کہا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا، اس نے کہا کہ ملک کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کو مختلف عنوانوں سے حکومت مدد دیتی ہے، پھر آپ کیوں احتراز کرتے ہیں؟ دادا صاحب کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اور کہا ایسا نہیں ہو سکتا ہے، اس پر اس انگریز افسر نے ایک سرکاری رجسٹر کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا، حضرت جو فہرست دیکھ کر سناٹے میں آگئے۔ اس انکشاف سے انھیں بے حد صدمہ ہوا، اور وہ دل میں سوچنے لگے کہ ان حالات میں کام کس طرح ہوگا۔ جب فلاں و فلاں کا یہ حال ہے۔ تو کس پر اعتماد کیا جائے، اور کس کے بھروسہ پر مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کے لیے جد و جہد کی جائے،

انگریز ندوہ کے متحدہ محاذ سے بہت خائف تھے، جیسی جیسی اس کی مقبولیت مسلمانوں میں بڑھتی جاتی تھی، ان کی افتراق انگیزیاں بھی بڑھتی جاتی تھیں۔ ان ریشہ دوانیوں کے ساتھ وہ اس تحریک کے سربراہوں کی جان کے درپے بھی ہو گئے تھے، ممالک متحدہ آگرہ و اودھ (یوپی) کا بڑا حاکم اس زمانہ میں سرکاری طور پر لفٹنٹ گورنر کہلاتا تھا، اس کا باورچی علی گڑھ کا تھا، وہ غیر مقلد تھا، اس زمانہ میں حنفیوں اور غیر مقلدوں کے درمیان بڑے اختلافات تھے۔ آئے دن مناظرے ہوتے رہتے تھے، مذہبی مسائل کے سلسلہ میں عدالتوں میں مقدمے دائر ہوتے تھے، کبھی کبھی مارپیٹ بھی ہو جاتی تھی، اور خون خرابہ کی نوبت آتی تھی،

مولانا لطف اللہ صاحب اس زمانہ کے نامور حنفی عالم تھے، ان کے درس کی سارے ملک میں دھوم تھی۔ اور ان کے تلامذہ ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے، ندوہ کے ارکان اساتذہ اور کارگزاروں میں بھی ان لوگوں کی خاصی تعداد تھی، دادا صاحب بھی ان کے شاگرد تھے، مولانا لطف اللہ صاحب شروع سے ندوہ کے حامی تھے، متعدد جلسوں کی صدارت بھی کر چکے تھے، ان کی سرپرستی سے ندوہ کے کارکنوں کو بڑی تقویت حاصل تھی، لفٹنٹ گورنر اور اس کے حامیوں کو یہ بات پسند نہ تھی، اس کے باورچی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مذہبی اختلافات کی بنا پر مولانا کے ساتھ اس کو کدورت تھی ہی، لفٹنٹ گورنر کے یہاں سے اس کو اور شہ ملی، آخر کار اس نے مولانا کو زہر دلا دیا، بر وقت مؤثر علاج کی وجہ سے جان تو بچ گئی، مگر اس کا اثر سالہا سال تک رہا، مزاج میں ایسی حدت پیدا ہو گئی تھی کہ جاڑوں

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱ے شاید آج معارف کے ناظرین کو اس بیان میں مبالغہ محسوس ہو مگر بہت زمانہ تک اختلافات کا یہ رنگ باقی رہا، ہم نے خود اپنے بچپن میں یہ مناظر دیکھے ہیں، احناف و اہل حدیث۔ مقلدین و غیر مقلدین اور سنیوں اور وہابیوں کے درمیان معرکہ آرائیاں عام تھیں، خود میرے ضلع رائے بریلی میں مدتوں لوگوں کی زندگی تلخ رہی، مسجد میں جا کر جوتے چلے، نوبت یہاں تک پہونچی کہ حفاظت کیلئے پولیس کے سپاہیوں کو صفوں کے اندر کھڑا ہونا پڑتا، ایک مرتبہ میں ملت اسلامیہ کی وحدت و ہم آہنگی پر گفتگو کر رہا تھا، اور یہ بتا رہا تھا کہ اسلام نے کس طرح دلوں کو جوڑ دیا ہے، ایک غیر مسلم کانسٹبل پاس بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا مولوی صاحب کیا باتیں کر رہے ہیں، آپ کے یہاں تو اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، عبادت گاہوں میں بھی امان نہیں ہے، ہم نے صفوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی ہے، اس سپاہی کی اس بات کو آج چالیس برس سے زیادہ ہو چکے ہیں مگر اب بھی یاد آجاتی ہے تو شرم سے سر جھک جاتا ہے، لیکن آج بھی تفرقہ پرداز معدوم نہیں ہیں، اور دین کے نام پر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف ہیں۔

(عبد السلام قدوائی)

میں بھی پنکھے کی ضرورت ہوتی تھی،

دادا صاحب (مولانا محمد علی) کو بھی زہر دینے کی کوشش کی گئی، ان کے باورچی محرم علی کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس وفادار عقیدت کیش نے انکار کر دیا، لیکن انگریز برابر ان کے پیچھے پڑے رہے، یہاں تک کہ عاجز ہوکر لکھنؤ سے ہٹ کر کچھ دنوں دور کے اطراف وجوانب میں قیام کیا، بالآخر یوپی کو خیرباد کہہ کر بہار کا رخ کیا، لیکن حالات ہنوز ناسازگار تھے، یہ کیفیت دیکھ کر ارادہ ہوا کہ کچھ عرصہ دیارِ عرب میں گزارا جائے اور حرمین شریفین کی روح پرور فضا میں دل و دماغ کی بے چینی اور پریشانی دور کی جائے، حالات اس درجہ تشویشناک تھے کہ سفرِ حج بھی علی الاعلان نہ کیا جا سکا اور پوشیدگی کے ساتھ بہار اور بہار سے بنگال گئے، چاٹگام سے کشتی پر سفر کیا، اس سفر میں مولانا نور محمد صاحب بھی ساتھ تھے،

ڈپٹی عبد الغفور کو بلطائف الحیل اس سے پہلے ہی ان سے دور کر دیا گیا تھا، آخر میں ریاست رام پور کا مدار المہام بنا کر بالکل ہی الگ کر دیا گیا، منشی اطہر علی صاحب بڑی اونچی حیثیت کے مالک تھے، اودھ کے بڑے ممتاز اور بااثر خاندان سے ان کا تعلق تھا، چوٹی کے وکیل تھے، اور اپنی غیر معمولی قانونی قابلیت کی بنا پر تعلقدارانِ اودھ کے مشیرِ قانونی تھے، لیکن باایں ہمہ اثر و رسوخ ندوہ سے تعلق کی بنا پر وہ بھی حکومت کی نظرِ عتاب سے نہ بچ سکے اور وطن کو خیرباد کہہ کر دکن میں پناہ لینی پڑی، تین سال وہ حیدرآباد میں رہے، پھر حج کے ارادہ سے حجاز چلے گئے اور زندگی کے باقی دن مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں بسر کئے، اور وہیں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

اس وقت انگریزوں کی سطوت و جبروت کا جو عالم تھا، آج اس کا سمجھنا دشوار ہے،

بڑے بڑوں کے پتے پانی ہوئے جا رہے تھے، جب ندوہ کے ارکان و معاونین کے ساتھ حکومت کی پرخاش کا یہ حال تھا، تو مولانا محمد علی کے ساتھ کیسی عداوت ہوگی، ان کی جان کے ساتھ عزت و ناموس بھی خطرہ میں تھی، اوپر گزر چکا ہے کہ ان کو کس طرح بدترین اخلاقی جرائم میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی، مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ ملک میں ایسے بدنام ہو جائیں کہ ان کا سارا اثر و رسوخ ختم ہو جائے، اور وہ کسی اصلاحی تحریک کی سربراہی کے لائق نہ رہیں، ان حالات میں اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ندوہ کی نظامت سے علحدہ ہو جائیں۔ ان کے رفقاء اس صورتِ حال سے پورے طور پر واقف تھے، اس لئے انھوں نے بادلِ ناخواستہ ان کا استعفاء منظور کیا، اس رسمی علحدگی کے باوجود ندوہ کے ساتھ ان کے تعلقِ خاطر میں کوئی کمی نہیں آئی، اور وہ زندگی بھر اس کی سرپرستی کرتے رہے، ندوہ کے عہدہ داروں میں حکیم عبد الحئی صاحب تو ان کے ساختہ پرداختہ تھے، انھیں نے ان کو اپنا مددگار بنایا تھا، اور برابر ان کی لیاقت اور صلاحیتِ کار سے مطمئن رہے ارکان انتظامی کے سامنے وقتاً فوقتاً اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور ہمیشہ ہمت افزائی فرماتے رہے، مولانا شبلی کے بھی بڑے قدر داں تھے، ان کی معاملہ فہمی، علمی قابلیت، تصنیفی صلاحیت اور مستعدی و کارگزاری کی تعریف کرتے تھے، ان کی جانب یہ التفات بعض پرانے دوستوں کو شاق ہوتا، مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ ربط و تعلق میں کمی نہیں ہوئی، شاہ محمد حسین الہ آبادی کو علماء و مشائخ کے حلقہ میں بڑا ممتاز مقام حاصل تھا، مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی کے نامور شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفۂ مجاز تھے، دادا صاحب سے بھی گہرے تعلقات تھے، ندوہ کی تحریک میں شروع ہی

سے شامل تھے، اور اس کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے داداصاحب (مولانا محمد علی) سے شکایت کی اور کہا کہ ہم لوگ ندوہ کے پرانے خدمت گزار ہیں مگر آپ ہم لوگوں کی موجودگی میں مولانا شبلی کو اہمیت دیتے ہیں اور تحریر و تقریر، تجویز و تائید ہر موقع پر ان کو آگے بڑھاتے ہیں، شاہ صاحب کی یہ بات سن کر داداصاحب نے فرمایا کہ کیا کروں شبلی کام کرتا ہے، دوسروں کے سپرد کوئی کام کرتا ہوں تو ہفتوں انتظار کرنا پڑتا ہے، اور پھر بھی کام نہیں ہوتا ہے، لیکن شبلی کو جو کام سپرد کرتا ہوں اس کو وقت پر پورا کر دیتے ہیں، مضمون ہو یا تجویز، مسودہ قواعد و ضوابط ہو یا کسی اسکیم کا خاکہ وہ فوراً کر ڈالتے ہیں، ایسی حالت میں میں ان کی قدر کیوں نہ کروں، میں تو آدمی کی صلاحیت اور کارگزاری کا قدردان ہوں۔

حیات شبلی

مولانا شبلی کی بہت مفصل سوانح عمری، مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم حقیقت رقم سے اسکے عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ مقدمہ میں جو اس کتاب کا شاہکار ہے، موجودہ اترپردیش کے مشرقی و شمالی اضلاع بنارس، جونپور، اعظم گڈھ، غازیپور کے بہت سے علماء و فضلاء و اصحاب درس و تدریس کا ذکر اجمال کے ساتھ آگیا ہے، مثلاً حافظ امان اللہ بنارسی، ملا محب اللہ جونپوری، مولانا شبلی کے ہم عہد علماء مثلاً مولانا فاروق مرحوم چریاکوٹی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، حافظ عبد اللہ صاحب غازیپوری وغیرہ وغیرہ کا متن کتاب میں ذکر آگیا ہے ندوۃ العلماء کے ایک مستقل عنوان کے تحت تحریک ندوۃ العلماء، مولانا شبلی کی اس میں شرکت اور اس سلسلہ میں ان کے خدمات اور کارناموں کی بھی تفصیل آگئی ہے۔ قیمت ۲۶ روپیہ ۵۵ پیسے

حضرت علیؓ کے کلام سے ادبائے عرب کا استفادہ

از

جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ستمبر ۱۹۶۴ء کے معارف میں "ادب سعدی کا ایک ماخذ" کے عنوان سے فاضل مقالہ نگار کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے جس میں انھوں نے یہ دکھایا تھا کہ شیخ سعدی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ ان کے بہت سے ادبی شاہکار آپ کے اقوال کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں،

ذیل کی سطروں میں انھوں نے عرب ادیبوں اور شاعروں کے کلام کا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ حضرت علیؓ کے کلام کا ان پر بھی گہرا اثر پڑا ہے، امید ہے کہ گذشتہ مضمون کی طرح یہ مضمون بھی دلچسپی سے پڑھا جائے گا،" (معارف)

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو جہاں مسلمانوں کے مذہبی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے، وہیں اُن کو مختلف علوم و فنون، علم کلام، مسائل توحید، اسرار شریعت، الٰہیات، خطابت، موعظت، معانی و بیان، نحو و عربیت وغیرہ میں بھی اہم درجہ حاصل تھا،

آپ کے خطبے اور خطوط فصاحت و بلاغت کے دلکش نمونے ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، چوتھی صدی ہجری میں مشہور ادیب الشریف الرضی محمد بن الحسین بن الموسیٰ متوفی ۴۰۶ھ

نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا، ان کی یہ تصنیف نہج البلاغۃ کے نام سے مشہور ہے، ان مکاتیب و خطب کے بارہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور ان کے مطالب و اسناد پر تحقیق و تنقید بہت کی جا چکی ہے لیکن تاریخی نقطۂ نظر کے باوجود ان کی ادبی حیثیت سب لوگوں کے نزدیک مسلّم ہے، ان کے کلام کی غیر معمولی اہمیت اور قبول عام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ قدیم ادب و تاریخ کی قریب قریب ہر کتاب میں ان کے امثال و حکم اور مواعظ و خطب کے اقتباسات ملتے ہیں، مثلاً ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی عیون الاخبار، ابن عبد ربہ الاندلسی متوفی ۳۲۸ھ کی العقد الفرید، ابو الفرج اصفہانی، متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب الاغانی، ابو العباس المبرد متوفی ۲۸۵ھ کی کتاب الکامل، عمرو بن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب البیان والتبیین، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ کی کتاب الامالی، ابو اسماعیل القالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب الامالی وغیرہ، ان کتابوں کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے اکثر ادیب و شاعر اس سے متاثر ہیں، ابتداءً چونکہ عربی نثر نے ترقی نہیں کی تھی، اس لئے لوگوں کی توجہ صرف ان کے کلام کی تدوین و تالیف کی طرف رہی، چنانچہ اس سلسلے میں حارث اعور، اصبغ بن نباتہ، زید بن وہب جہنی، عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان میں صرف حارث اعور کے پاس کلام علیؓ کا اتنا معتدبہ ذخیرہ تھا، کہ ایک مرتبہ جب امام حسنؓ نے ان کو لکھا کہ آپ نے امیر المومنین سے وہ احادیث بھی سنی ہیں، جو میں نہیں سن سکا، تو حارث اعور نے اس کے جواب میں ایک اونٹ بار کر کے ان کی خدمت میں بھیجا،[1] اس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو انھوں نے اپنے مخصوص سلسلۂ سند کے ساتھ عامر کی زبانی نقل کی ہے، عامر کا بیان ہے، میں نے حسنؓ و حسینؓ کو دیکھا، یہ دونوں حارث اعور سے

---

[1] ذیل المذیل طبری مطبوعہ مصر (ص ۱۰۹)

حدیث علیؓ کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے[1]

اسی طرح اصبغ بن نباتہ، زید بن وہب جہنی، عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی امیر المومنین کے بکثرت خطبے اور خطوط مروی ہیں، جن کا تفصیلی ذکر میں نے اپنی کتاب "رجال نہج البلاغۃ" میں کیا ہے[2]:

پہلی صدی ہجری کے نصف اول تک ہی کلام علی کی شہرت اس حد تک ہوگئی تھی کہ عرب درس کے طور پر ان خطبوں کو پڑھا کرتے تھے، امام شعبی متوفی ۱۰۶ھ کا صعصعہ بن صوحان کے بارے میں مشہور قول ہے:۔

تعلمت منه الخُطب	میں نے اس سے خطبوں کی تعلیم حاصل کی ہے،

اس کے بعد نثر عربی نے جب ترقی شروع کی اور عربوں میں نثر نگاری کا ملکہ پیدا ہوا تو یہ تاثرات اخذ و استفادہ کی صورت میں نظر آتے ہیں، چنانچہ حسن بصری کے مکتوب میں جو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے نام ہے،[3] اور عربی نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جگہ جگہ امیر المومنین کے خطبوں کے الفاظ بلکہ جملے کے جملے نظر آتے ہیں: مثلاً :۔

فاحذرها الحذر، فانّها	دنیا سے بچو! وہ سانپ کے مانند ہے،
مثل الحيّة لينٌ مسُّها وسمّها	چھونے میں نرم ہے، مگر اس کا زہر
يقتل فانها قد آذنت	قاتل ہے، وہ زوال آمادہ ہے،

---

[1] طبقات ابن سعد (ص ۹ ـ ۱۶۸) بیروت، ۱۹۵۷ء [2] یہ کتاب ۱۹۶۱ء میں مجلۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دو قسطوں میں شائع ہوئی تھی، اس کے بعد نہج البلاغۃ مترجمہ رئیس احمد جعفری (لاہور) کے تیسرے ایڈیشن میں شائع ہوئی، [3] حسن بصری کا یہ خط مکمل صورت میں حافظ

بزوالٍ، لا یدوم نعیمها و لا
اس کی نعمت کو دوام نہیں، اور

یؤمن فجائعها فانظر الیها
اس کے مصائب سے امن نہیں ہے،

نظر الزاهد المفارق، .....
اس کو ایک تارک الدنیا زاہد کی نظر سے دیکھو،

مذکورہ بالا تینوں جملے امیر المومنین کے ہیں، جو نہج البلاغہ میں مختلف خطبات اور حکم کے تحت خفیف لفظی فرق کے ساتھ موجود ہیں،

اسی طرح یحیی بن خالد کا قول[۵۴]:

ثلاثة اشیاء تدل علی عقول اربابها:
تین چیزیں وہ ہیں، جو اپنے ارباب کی عقلوں پر دلالت کرتی ہیں، خط

الکتاب علی مقدار عقل کاتبه
اس کے کاتب کی عقل کی مقدار پر،

والرسول علی مقدار عقل مرسله، .....
اور قاصد بھیجنے والے کی عقل کی مقدار پر،

امیر المومنین کے حسب ذیل قول سے ماخوذ ہے[۵۵]:

رسولک ترجمان عقلک و
تیرا قاصد (سفیر) تیری عقل کا ترجمان اور تیرا مکتوب

کتابک ابلغ ما ینطق عنک
تیرے متعلق بیان سے زیادہ مؤثر ہے،

اس کے بعد جہاں تک نظر جاتی ہے، ہر ادیب اور شاعر کے یہاں یہ تاثرات ملتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ ص) ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اپنی مشہور کتاب حلیۃ الاولیاء (۲ : ۱۳۵) میں نقل کیا ہے، جو تقریباً ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے،

[۵۴] بہجۃ المجالس وانس المجالس مولفہ ابن عبد البر (قلمی) باب العقل والحمق،

[۵۵] نہج البلاغۃ (۳ : ۲۲۲، رقم ۳۰۱)

ان میں ابن نباتہ[۵۶] الخطیب متوفی ۳۷۴ھ کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، اس کا مشہور قول ہے[۵۷]:

حفظت من الخطابة کنزًا
میں نے خطابت کا ایسا خزانہ حفظ کیا ہے

لا یزیده الا نفاق الا سعة
جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہو سکتا، بلکہ

وکثرة، حفظت مائة فصل
بڑھتا ہی رہتا ہے، میں نے مواعظ

من مواعظ علی ابن ابی طالب
علی بن ابی طالب کی سو فصلیں یاد کی ہیں،

اس پر امیر المومنین کے کلام کا اتنا گہرا اثر تھا، کہ اپنے خطبوں میں بھی اس نے وہی انداز اختیار کیا ہے، چنانچہ اکثر مقامات پر وہ ان خطبوں کے جملوں کے جملے اپنا لیتا ہے، اور الفاظ کا ذخیرہ تو تمام تر اس نے انہی کے خطبوں سے حاصل کیا ہے،

ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی شرح میں متعدد مقامات پر ابن نباتہ کے ان منقولات کا انکشاف کیا ہے، ذیل میں چند مثالیں درج ہیں:-

۱- نہج البلاغہ کا ایک مشہور خطبہ ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے[۵۸]:-

---

[۵۶] ابن نباتہ کا شمار اپنے وقت کے ائمۂ ادب میں ہوتا ہے، اس کا پورا نام الخطیب ابو یحیی عبد الرحیم بن محمد بن اسماعیل بن نباتہ الفارقی ہے، ابن خلکان اس کے تذکرہ میں لکھتا ہے:-

"وہ علوم ادب کا امام تھا، اور اپنے ان خطبوں میں جس کے بارے میں علمائے ادب کا یہ اجماع ہے کہ ایسے خطبے کسی نے نہیں کہے، ..... یہ خطبے اس کے علم کی گہرائی اور طبیعت کی جودت کی دلیل ہیں"

اس کے خطبوں کا مجموعہ ۱۳۱۱ھ میں بیروت کے مطبعۃ جریدہ سے شائع ہو چکا ہے،

[۵۷] شرح ابن ابی الحدید (۱ : ۲۴) [۵۸] شرح البلاغۃ (۲ : ۱۵۳، رقم ۱۸۵)

احمدہ شکراً لانعامہ واستعینہ علی وظائف حقوقہ ....

میں اللہ کی حمد بجا لاتا ہوں اس کی نعمتوں کے شکر کے طور پر اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں اس سے مدد کا طالب ہوں،

اس خطبے کی شرح کے ضمن میں وہ لکھتا ہے[1]:

جاننا چاہئے کہ امیر المومنین کا یہ خطبہ مشہور اور نادر خطبات میں ہے، اس میں صنعت بدیع کا نہایت اچھا استعمال کیا گیا ہے، جو تکلف اور آورد سے بری ہے، ابن نباتہ خطیب نے اس خطبے کے متعدد الفاظ لئے ہیں، اور اُن کو اپنے خطبوں میں شامل کر لیا ہے مثلاً

نار شدید کلبها، عالٍ لجبها، ساطع لهبها، متغیظ زفیرها، متأجج سعیرها، بعید خمودها، ذاکٍ وقودها، مخوف وعیدها، عمٍ قرارها، مظلمة اقطارها، حامیة قدورها، فظیعة أمورها،

وہ آگ جس کی لپک سخت شعلے بلند ہیں اور لپٹ روشن ہے، غضبناک چیخیں اس کی آگ بھڑکنے والی ہے، جس کا بجھنا بہت دور ہے، اس کی بھڑک بڑھتی ہوئی، اور اس کا عذاب خوفناک ہے، اس کا قیام غم انگیز، اور گرد تاریکی، اس کی دیگیں کھولنے والی اور معاملات رسوا کن ہیں،

ان تمام الفاظ سے اس نے اپنے کلام کو مزین کیا ہے، مگر حوالہ نہیں دیا ہے، ان کے علاوہ یہ الفاظ بھی اُس نے اسی خطبے سے لئے ہیں:

[1] شرح ابن ابی الحدید (۱۳: ۱۱۴)

هو المطلع وروعات الفزع واختلاف الاضلاع، واستکاک الاسماع وظلمة اللحد وخیفة الوعد وغمّ الضریح وردم الصفیح

مطلع کے ہول اور خوف، لگاتار غم، پسلیوں کے کھڑکھڑانے، کانوں کے بہرا ہونے، اور قبر کی تاریکی، وعدوں کے خوف اور قبر کے ڈھانکنے اور پتھروں کے بند کرنے سے واقع ہو،

۲- نہج کا ایک دوسرا خطبہ ہے جس کی ابتدا یہ ہے[1]:

اما بعدُ: فانی احذرکم الدنیا، فانها حلوة خضرة حُفت بالشهوات،

بعد ازاں میں تم کو دنیا سے ڈراتا ہوں، کیونکہ وہ بظاہر شیریں اور ہری بھری معلوم ہوتی ہے، لیکن خواہشات سے گھری ہوئی ہے،

اس خطبے کے حسب ذیل اقتباسات ابن نباتہ نے معمولی تغیر کے ساتھ اپنے ایک خطبے میں شامل کئے ہیں[2]:

امیر المومنین	ابن نباتہ
حملوا إلی قبورهم فلا یدعو	وحید، علی کثرة الجیران
رکباناً وانزلوا الاجداث	بعیدٌ علی قرب المکان
فلا یدعون ضیفاناً، وجعل	اسیر وحشة الانفراد إلی
لهم من الصفیح اجنان و	الیسیر من الزاد، جار من
من التراب اکفان ومن	لا یجیر، وضیف من لا یمیر،

[1] نہج (۱: ۲۱۶، رقم ۱۰۷) [2] شرح ابن ابی الحدید ۱: ۲۳۵

الآفات جیران، نھُم جیرۃ	حملوا ولا یرون رکبانا،
لا یجیبون داعیًا، ولا یمنعون	وانزلوا ولا یدعون
ضیما ولا یبالون مندبۃً	ضیفانا، واجتمعوا ولا یسمون
اِن جیدوا، لم یفرحوا، و	جیرانًا، واحتشد وا ولا
ان قحطوا، لم یقنطوا، جمع و	یعاونون اعوانا.
ھُمْ آحادٌ وجیرۃٍ وھُم	
آحادٌ، متدانون لا یتزاورون	
وقریبون	
... ...	

۳۔ نہج کا ایک اور خطبہ ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے:[51]

اما بعدُ، فانّ الدّنیا قد	بعد ازاں، بیشک دنیا نے پیٹھ پھیر لی،
ادبرت، وآذنت بوداع	اور رخصت کی اطلاع دے دی، اور
وانّ الآخِرۃ قد أقبلت و	بے شک آخرت سامنے آچکی، اور
اشرفت باطلاع،	سر اٹھا کر دیکھنے لگی،

یہ پورا اقتباس ابن نباتہ کے ایک خطبے میں اس طرح موجود ہے،[52]

ایّھا النّاسُ! اِنّ الدُّنیا	لوگو! بیشک دنیا نے پیٹھ پھیر لی،

[51] نہج البلاغۃ (۱- ۶۷، رقم ۲۶؛
[52] دیوان خطب ابن نباتہ: ۸۰،

قد أدبرت وآذنت بانقلاب	اور انقلاب و تغیر کا اعلان کر دیا، اور
واِنّ الآخرۃ قد اقبلت	آخرت سامنے اور قریب آگئی،
واذعنت باقتراب،	

۴۔ نہج کا ستائیسواں خطبہ جو جہاد پر اُبھارنے کے لئے انھوں نے ارشاد فرمایا ہے اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:[53]

اما بعدُ، فانّ الجھاد باب من	بعد ازاں، بیشک جہاد جنت کے
ابواب الجنّۃ،	دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے؛

ابن ابی الحدید اس خطبے کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے:[54] "یہ خطبہ امیر المومنین کے مشہور خطبوں میں ہے، اسے مبرد نے تدرے حذف و اضافہ کے ساتھ "الکامل" میں روایت کیا ہے۔[55] اس کی تمہید میں وہ لکھتا ہے کہ علیؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ کا ایک لشکر انبار پہنچ گیا ہے اور اس نے اُن کے عامل حسان بن حسان کو قتل کر دیا ہے، تو وہ غضبناک حالت میں اپنی چادر کو کھینچتے ہوئے نخیلہ[56] کے مقام پر آئے، اور ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا: اما بعدُ: فانّ الجہاد ......

اس کے بعد ابن ابی الحدید لکھتا ہے: "جہاد پر ابھارنے کے لئے لوگوں نے بہت سے خطبے انشا کئے ہیں، لیکن سب نے امیر المومنین کے اس خطبے سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم اور قابلِ ذکر خطبہ "ابن نباتہ الفارقی" کا ہے، اس مقام پر اس نے ابن نباتہ

[53] نہج البلاغۃ - (۱: ۶۳، رقم ۲۶ [54] شرح ابن ابی الحدید (۲: ۲۰۵)
[55] یہ پورا خطبہ مع اس عبارت الکامل (۱: ۲۰) تحقیق: ذکی مبارک ۱۳۵۵ھ میں موجود ہے،
[56] نخیلہ: کوفہ سے باہر ایک مقام کا نام ہے،

کا یہ پورا خطبہ نقل کیا ہے، اور امیر المومنین کے اس خطبے سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے[1]:

هذا آخر خطبة ابن نباتة فانظر إليها والى خطبته عليه السلام بعين الانصاف تجدها بالنسبة إليها كمخنث بالنسبة الى فحل، أو كسيف من رصاص بالاضافة الى سيف من حديد، وانظر ما عليها من اثر التوليد وشين التكلف وفجاجة كثير من الالفاظ ....

یہ ابن نباتہ کے خطبے کا آخر ہے، ایس انصاف کی نظر سے اس خطبہ، اور امیر المومنین کے خطبہ دونوں کا جب موازنہ کروگے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں وہی نسبت ہے، جو ایک مخنث اور مرد میں ہوتی ہے، یا سیسے کی تلوار اور فولاد کی تلوار میں، غور کرو کہ اس میں (ابن نباتہ کے خطبے میں) تولید اور تکلف کس قدر ہے، اور بیشتر الفاظ میں کتنی آورد ہے،

آخر میں اُس نے امیر المومنین کے خطبے اور ابن نباتہ کے خطبے کے کچھ اقتباسات بھی دیئے ہیں، جن میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں،

امیر المومنین	ابن نباتہ
اما بعدُ، فانّ الجهاد باب من ابواب الجنة، بعد ازاں پس جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے،	فان الجهاد أثبت قواعد الایمان وأوسع ابواب الرضوان وارفع درجات الجنان، جہاد ایمان کی بنیادوں میں سب سے زیادہ مستحکم اور رضائے الٰہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ وسیع، اور جنت کے درجوں میں سب سے زیادہ بلند ہے،
من اجتماع هٰؤلاء علی باطلهم وتفرقکم عن حقکم، کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے باطل پر مجتمع ہیں، اور تم اپنے حق سے ہٹے جا رہے ہو،	صرخ بهم الشیطان إلی باطله فاجابوه، وندبکم الرحمان الی حقه، فخالفتموه، شیطان نے ان کو باطل کی طرف پکارا اور انھوں نے اس پر لبیک کہا اور تم کو خدا نے حق کی جانب دعوت دی، تم نے اس کی مخالفت کی،
الا عامِل لنفسه قبل یوم بؤسه، کیا اپنی مصیبت کے دن سے پہلے اپنی ذات کے لئے کوئی کام کرنے والا نہیں ہے،	الا عامل لنفسه، قبل حلول رمسه؛ کیا قبر میں جانے سے پہلے کوئی اپنی ذات کے لئے کام کرنے والا نہیں ہے،

[1] شرح ابن ابی الحدید (۲ - ۸۲)

(باقی)

پاکستان میں سیرۃ النبیؐ کی بین الاقوامی کانگریس

از۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن

سیرۃ النبیؐ کی بین الاقوامی کانگریس کا دعوت نامہ حکومت پاکستان کی طرف سے جنوری ہی میں مل گیا تھا، مگر ویزا اور حکومت ہند کی اجازت کا انتظار تھا، ۳ رمارچ سے کانگریس شروع ہونے والی تھی، مگر جب اس دن بھی کوئی اطلاع نہ آئی تو شرکت کی کوئی امید نہیں رہی، لیکن یکایک ۴ رمارچ کو حکومت ہند کی طرف سے تار ملا کہ پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانگریس میں میری شرکت منظور کیجاتی ہے، پھر اسی روز ڈاک سے نئی دہلی سے سوئٹزرلینڈ کے سفارت خانہ سے اطلاع ملی کہ میرے ویزا کی منظوری آگئی ہے، ۵، ۶ رمارچ (سنیچر اور اتوار) کو سفارت خانہ میں تعطیل تھی، اس لیے ۷ مارچ کی صبح کو دہلی پہنچا، شام کو ویزا مل گیا، اور اسی رات کو فرنٹیر میل سے امرتسر روانہ ہوگیا، دوسرے دن گیارہ بجے ہندوستان کے باڈر اٹاری پہنچ گیا، وہاں حکومت ہند کا وہ تار دکھایا جس میں پاکستان کی سیرت کانگریس میں باضابطہ شرکت کی اجازت دی گئی تھی، اسکو دیکھکر کسٹم افسر بہت اخلاق سے ملے، پھر پاکستان کے بارڈر واگہ پہنچا، وہاں سیرت کانگریس کی طرف سے انتظار ہو رہا تھا، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند دوسری گاڑی سے امرتسر تشریف لائے تھے، پاکستان کے بارڈر ہی پر ان سے نیاز حاصل ہوا، مولانا تو مرزا شرفیہ لاہور تشریف لے گئے، اور مجھے سیرت کانگریس کے

منتظمین لاہور کے ہمدرد دواخانہ کے دفتر سیرت میں لائے، یہاں ایک دن پہلے سیرت کانگریس ختم ہوچکی تھی، اور نمایندے میرپور روانہ ہوچکے تھے، دوسرے دن پشاور میں اجلاس تھا، مجھ سے پشاور جانے کو کہا گیا، مگر میں ہوائی جہاز سے کراچی چلا آیا۔

ہوائی اڈے پر سیرت کانگریس کی طرف سے ایک صاحب موجود تھے، رات کو انہی کے یہاں رہا، پھر سیرت کانگریس کی طرف سے تہران ہوٹل میں پہنچا دیا گیا، کمرہ میں جانماز بھی رکھی ہوئی تھی، اور کلام پاک بھی، نماز با جماعت کا بھی انتظام تھا،

۱۲ رمارچ کو نو بجے دن سے سیرت کانگریس کا پانچواں اجلاس تھا، پہلا اجلاس اسلام آباد، دوسرا لاہور، تیسرا میرپور (آزاد کشمیر)، چوتھا پشاور میں ہوچکا تھا، پاکستانی نمائندوں کے علاوہ بیرونی مہمان بھی بکثرت آئے ہوئے تھے، افغانستان، الجیریا، اسٹریا، بحرین، بنگلہ دیش، بلجیم، کناڈا، جزیرہ کومورو، قبرص، مصر، فن لینڈ، فرانس، گھانا، انڈونیشیا، ایران، جاپان، اردن، کینیا، کویت، لبنان، لیبیا، ملیشیا، موری ٹانیہ، موریشس، مراکش، مسقط، نیدرلینڈ، نائجیریا، فلپائن، سعودی عرب، سنگاپور، سری لنکا، سوڈان، شام، جمہوریہ ٹوگو، ٹرینی ڈاڈ، تونس، ترکی، امریکہ، مغربی جرمنی اور شمالی یمن کے نمائندے موجود تھے، ہندوستان سے آنے والوں میں میرے علاوہ قاری محمد طیب صاحب (دیوبند) حکیم عبد الحمید (متولی ہمدرد دواخانہ دہلی) اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی (اڈیٹر برہان) تھے، اسلام آباد، راولپنڈی، لاہور، پشاور اور کراچی کے مقامی نمائندوں کی تعداد تو بہت زیادہ تھی، تمام شرکاء کا مختصر تعارف ایک خوبصورت کتابچہ میں درج تھا،

اسلام آباد کے پہلے اجلاس کا افتتاح پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کیا، میں اس میں شریک تو نہ تھا، مگر اخباروں اور کانگریس کے ضروری لٹریچر سے

اس کی جو تفصیل معلوم ہوئی اسے مختصر طور پر لکھ رہا ہوں۔

اس جلسہ کا آغاز کلام پاک کی تلاوت اور عربی کی ایک نعت سے ہوا، مولانا کوثر نیازی وزیر مذہبی امور نے وزیر اعظم کو سپاسنامہ پیش کیا، وزیر اعظم نے افتتاحیہ خطبہ پڑھا، حکیم محمد سعید (متولی ہمدرد دواخانہ پاکستان) نے ان کا شکریہ ادا کیا، پھر مقالہ خوانی کا اجلاس صاحبزادہ فاروق علی خاں اسپیکر پاکستان نیشنل اسمبلی کی صدارت میں شروع ہوا، اس کانگریس میں ایک نئی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ہر اجلاس کے دو صدر ہوتے تھے، اسلام آباد کے اس اجلاس کے دوسرے صدر سعودی عرب کی حکومت کے جناب سید حسن محمد کیتی تھے، شروع میں کویت کے ڈاکٹر عبد العزیز کامل نے ایک تقریر کی جس کا عنوان یہ تھا "پیغمبر اسلام نے فطرت اور انسان کو کس نظر سے دیکھا ہے"، اس تقریر کے بعد دوسرا اجلاس شروع ہوا، جس کے صدر ترکی کے وزیر اوقاف فضیلت مآب حسن اقصائی اور ملیشیا کی ایک ریاست کے سابق وزیر اعلیٰ فضیلت مآب مصطفیٰ بن داتو ہارون تھے، اس میں جو مقالات پیش کیے گئے ان کے عنوانات یہ تھے (۱) پیغمبر اسلامؐ اور صلح و آشتی اور معاشرتی انصاف از جناب قاسم گولک (ترکی)، (۲) پیغمبر اسلامؐ کی ملاقات نجران کے عیسائیوں سے، اور موجودہ دور کے مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی گفتگو از ریورنڈ جان سلومپ (پاکستان)، (۳) پیغمبر اسلامؐ کی سیرت از پروفیسر ڈاکٹر اے، آر، مجتہد زادہ (ایران) (۴) اسلام میں علم، آرٹ اور سائنس کی ترقی از جناب کمال اظفر صاحب (پاکستان)، (۵) اسلام امن و آشتی کی قوت کی حیثیت سے از پروفیسر ڈاکٹر چارلس ای۔ گڈیز (امریکہ)، (۶) قبرص سے متعلق پیغمبر اسلامؐ کی حدیث از ڈاکٹر رفعت مصطفیٰ رفعت (قبرص)، (۷) اسلام اور تقویٰ از مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری (پاکستان)، (۸) پیغمبر اسلامؐ اور جہاد از فضیلت مآب عمر .... (شام)

(۹) پیغمبر اسلامؐ کی معاشرتی زندگی از انعام اللہ خاں، (۱۰) اسلام، کلچر، سویلزیشن اور حجاب از چودھری محمد محمود علی خاں، (۱۱) حبشہ کی ہجرت اقتصادی نقطۂ نظر سے از سید قدرت اللہ فاطمی، (۱۲) سائنس اور اسلام از ڈاکٹر محمد مسعود (۱۳) پیغمبر اسلامؐ ایک فوجی کی حیثیت سے از برگیڈیر گلزار احمد (۱۴) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات از سید وود جیلانی (۱۵) وحی اور پیغمبر اسلامؐ کی زندگی از مولانا محمد سعید (۱۶) اسلام اور آرٹ از پرنس صلاح الدین عباسی۔

اس کانگریس کا دوسرا اجلاس لاہور میں ہوا، اس میں خانۂ کعبہ کے امام حضرت مولانا محمد عبد اللہ السبیل بھی شریک ہوئے، انھوں نے لاہور کی بادشاہی مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھائی، جہاں بکثرت نمازی شریک ہوئے، اس موقع پر مولانا کوثر نیازی، شمالی یمن کے وزیر اوقاف محمد الصباحی، لبنان اور شام کے مفتی اعظم شیخ حسن خالد اور شیخ احمد کفتارو نے بھی نمازیوں کو مخاطب کیا، اس شہر میں سیرت کے کھلے اجلاس کی صدارت پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب صادق حسین قریشی نے کی، ان کے ساتھ ہندوستان کے حکیم عبد الحمید بھی صدر ہوئے، اس اجلاس کے خصوصی مقرر اڈنبرا یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر منٹگمری واٹ تھے، جن کا عنوان "سیکولر دنیا کے مورخین اور پیغمبر اسلامؐ" تھا، اس کے بعد مقالہ خوانوں کا جو اجلاس ہوا اس کے صدر الجیریا کے مولود قاسم اور پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب حمود الرحمن تھے، اس میں یہ مقالات پیش کیے گئے: (۱) اسلام دنیا کے امن کا ذریعہ از چودھری نذیر احمد خاں (پاکستان) (۲) زندگی کے مسائل کے مقابلہ کیلئے پیغمبر اسلامؐ ایک اعلیٰ نمونہ از ڈاکٹر اسماعیل بالک (آسٹریا)، (۳) پرآشوب زمانہ میں امن کے لیے پیغمبر اسلامؐ ایک نمونہ از ڈاکٹر احمد عبد اللہ (کینیا) پیغمبر اسلامؐ اول اور آخر پیغمبر کی حیثیت سے از مولوی ابو صاحب (سنگاپور)، (۵) اسلام میں جبر از مولانا

محمد جعفر شاہ (۶) انسانی اخوت کا اسلامی تخیل از ڈاکٹر امان اللہ خان (۷) پیغمبر اسلامؐ کا اقتصادی نظام از جسٹس شمیم حسین قادری (۸) سیرت کا مطالعہ از ڈاکٹر محمد اسلم (۹) علامہ اقبال اور پیغمبر اسلامؐ کی سیرت از ڈاکٹر وحید قریشی (۱۰) اسلام اور انسانی علم کی ترقی از پروفیسر نیر واسطی (۱۱) پیداوار اور تقسیم میں اسلامی تخیل از ڈاکٹر محمد باقر،

لاہور میں ۷ مارچ کو جو اجلاس ہوا اس کی صدارت شام کے وزیر اوقاف فضیلت مآب عبد الستار السید اور پاکستان کے جسٹس سردار محمد اقبال نے کی، اس کے خاص مقرر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال تھے جنھوں نے "پیغمبر اسلامؐ کے اخلاق اور جدید انسان" کے عنوان پر تقریر کی، اس کے بعد مقالہ خوانی کے اجلاس کی صدارت ملیشیا کے وزیر اسلامی امور داتوک سیری حاجی قمر الدین اور افغانستان کے نائب وزیر تعلیم وصی اللہ سمیع نے کی اس میں مقالات کے عنوانات یہ تھے (۱) کلام پاک میں سیرت کی جھلکیاں از ڈاکٹر علی اکبر جعفری (ایران) (۲) پیغمبر اسلامؐ ایک طبیب کی حیثیت سے از حکیم عبد الحمید (ہندوستان) (۳) وحی از الحاج سالم بن علی سالم صاحب (جزیرۂ کومورو) (۴) اسلامی بیداری اور افریقی سوسائٹی از ڈاکٹر ال، ادسانخ (گھانا) (۵) علم اور اخلاق قرآن اور سنت کی روشنی میں از پروفیسر راجار نالدیز (فرانس) (۶) پیغمبر اسلامؐ کی سنت مختلف پہلوؤں کی روشنی میں از ڈاکٹر پروین شوکت علی (پاکستان) (۷) تمام ادوار کے پیغمبرؐ از ڈاکٹر محمد یوسف گوریا (پاکستان) (۸) پیغمبر اسلامؐ اور وحی از پروفیسر محمد سعید شیخ (پاکستان) (۹) پیغمبر اسلامؐ ایک عظیم ترین ترقی پسند مفکر کی حیثیت سے از ڈاکٹر رانا احسان الٰہی پاکستان (۱۰) اردو میں پیغمبر اسلامؐ کے سیرت نگار از ڈاکٹر عبادت بریلوی (پاکستان) (۱۱) اسلام اور مذاہب کی تقابلی سائنس از ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی (پاکستان) (۱۲) اسلام اور افراط زر کا مسئلہ از ڈاکٹر عبد الغفور مسلم

(۱۳) معاشرتی انصاف اور اسلام از ڈاکٹر معز الدین (پاکستان)

لاہور میں ۸ مارچ کو اس کانگریس کا ایک اور اجلاس ہوا، جس کے پہلے جلسہ کی صدارت کویت کے وزیر عدل و اوقاف فضیلت مآب عبد اللہ ابراہیم المفرج اور اصفہان یونیورسٹی کے ڈاکٹر اے، ٹی نفیسی نے کی، اس کے خاص مقرر انڈونیشیا کے ڈاکٹر محمد ناصر تھے، جو اپنے ملک کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں، دوسرے جلسہ کی صدارت مصر کے ڈاکٹر محمد حسین الطحابی اور ملیشیا کے وزیر اسلامی امور فضیلت مآب داتوک سیری حاجی قمر الدین نے کی، اس موقع پر حسب ذیل مقالات پیش کیے گئے، (۱) نائجیریا پر اسلام کے اثرات از پروفیسر آئی اے بی بالوگن نائجیریا) (۲) المعراج از ڈاکٹر جان کنا پرٹ (بلجیم)، (۳) خاتم نبوت کی حیثیت از ڈاکٹر اے، بی نفیسی (ایران) (۴) اسلام اور مذہبی رواداری کا مسئلہ از ڈاکٹر احمد الونو (فلپائن) (۵) وحی اور عقل از مولانا محمد حنیف ندوی (پاکستان) (۶) پیغمبر اسلامؐ ایک مدرس کی حیثیت سے از صاحبزادہ مولانا فیض الحسن (پاکستان) (۷) اہل کتاب اتحاد دیگانگت کا ایک نیا باب از ڈاکٹر چارلس واڈی (انگلستان)،

لاہور سے سیرت کانگریس کے نمائندے پشاور گئے، وہاں مقالہ خوانی کا کوئی اجلاس نہیں ہوا، بلکہ وہاں کی حکومت کی طرف سے صرف ان کا استقبال ہوا، یہاں سے نمائندے پشاور پہنچے، شروع میں اس کے اجلاس کے صدر سرحد کے وزیر جناب عبد الرزاق صاحب اور ترکی کے وزیر فضیلت مآب حسن اقصائی تھے، یہاں اسلام اور علم کی ترقی کے عنوان پر بن سلونیا یونیورسٹی کے پروفیسر جارج مقدسی کی مخصوص تقریر ہوئی، مقالہ خوانی کے اجلاس کی صدارت شمالی یمن کے وزیر اوقاف عزت مآب جناب محمد الصباحی اور امریکہ کے ڈاکٹر محمد عبد الرؤف نے کی، اس میں حسب ذیل مقالات پیش ہوئے (۱) اسلام اور معاشرتی انصاف از

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، (۲) پیغمبر اسلامؐ اول اور آخری نبی از ڈاکٹر جرہارڈ بودرنگ (امریکہ)، (۳) پیغمبر اسلام امت کے ایک رہنما کی حیثیت سے از ڈاکٹر عبدالرحمن دوئی (نائجیریا)، (۴) اسلام میں علم کی حیثیت از الاستاذ محمد سیلی الفوتی (ٹوگو) (۵) اسلام اور سائنسی تحقیق از پروفیسر ڈاکٹر محمد عطاء اللہ (پاکستان) (۶) پیغمبر اسلامؐ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے از محمد اسمٰعیل سیفی (پاکستان)، (۷) شہنشاہ اکبر اور عیسائی از ڈاکٹر فرینک گرپو (بلجیم)، (۸) ایک ریسرچ اور بین الاقوامی تبلیغی سوسائٹی کی ضرورت از پروفیسر سید عظیم شاہ بخاری، (۹) اسلام میں حسن اور آرٹ کا تخیل از ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی (۱۰) پیغمبرانہ رہنمائی کی خصوصیات کلام پاک کی روشنی میں از حافظ محمد عبدالقدوس،

پشاور سے نمایندے ۱۱ مارچ کو بارہ بجے شب میں کراچی پہنچے، کچھ انٹرکونٹی نینٹل اور کچھ مہران ہوٹل میں ٹھہرے، ۱۲ مارچ کو ۹ بجے صبح سے کراچی میں اجلاس شروع ہوا، ہم لوگ مہران ہوٹل سے حبیب بینک پلازا کی عمارت میں پہنچے، تو وہاں تماشائیوں کا بڑا ہجوم تھا، بڑی مشکل سے اس عمارت کی ۲۲ ویں منزل کے ہال میں داخل ہوئے، پورا ہال بھر چکا تھا، تمام ممالک کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے اسٹیج پر لہرا رہے تھے، اس قسم کے جلسوں کا ایک خاص مقصد مختلف جگہوں کے لوگوں سے ملنا ملانا ہوتا ہے، مگر ان کثیر التعداد نمائندوں سے ملنا آسان نہ تھا، مولانا سعید احمد اکبر آبادی (اڈیٹر برہان) مجھ سے بہت پہلے پاکستان پہنچ گئے تھے، ان کو لاہور، میرپور اور پشاور میں شرکت کرنے کا موقع مل گیا تھا، وہ کراچی آئے تو اسی ہوٹل میں ٹھہرے جہاں میں ٹھہرایا گیا تھا، ان کی وجہ سے ملاقات دتی رفت میں بڑی سہولت رہی،

اسی جلسہ میں مولانا ظفر احمد انصاری (رکن نیشنل اسمبلی) جناب زاہد ملک صاحب (جوائنٹ سکریٹری وزارت مذہبی امور)، جناب ماہر القادری، جناب تنزیل الرحمٰن ایڈوکیٹ، ڈاکٹر

علی اکبر جعفری (ایران) جناب مسرت حسین زبیری آئی سی ایس، حکیم عبدالحمید (ہمدرد دواخانہ دہلی) اور حکیم محمد سعید سے ملاقات ہوئی، جناب حکیم محمد سعید نے خیر مقدمی تقریر انگریزی میں کی، جلسہ کی صدارت پرنس کریم آغا خاں الحسینی نے کی، اس موقع کے خاص مقرر مولانا کوثر نیازی وزیر امور مذہبی حکومت پاکستان تھے، ان کا موضوع پیغمبر انقلاب تھا، انھوں نے اپنی لکھی ہوئی تقریر عربی میں پڑھی، اس کے انگریزی اور اردو ترجمے بھی تقسیم ہوئے، ان کی تقریر اس دعوی اور یقین محکم سے شروع ہوئی:-

"ساتویں صدی عیسوی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں جو انقلاب برپا کیا، تاریخ زمانہ مابعد میں اس کے اثرات اتنے دور رس تھے کہ اسے بعد کے دور کے تمام انقلابات کی بنیاد و اساس قرار دیا جا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی افکار و عادات کے دائرہ میں جو تبدیلی پیدا کی تھی وہ بعد کی صدیوں میں جاری رہی اور اس نے کئی جدید تحریکات پر گہرے اثرات مرتب کئے"

پھر اس دعوی کے ثبوت میں ہر قسم کے موثر دلائل فراہم کرنے کے بعد انھوں نے اپنی یہ تقریر سر فلپ گبز کی کتاب دی گلوری آف محمد کے اس اقتباس پر ختم کی،

"اسلام نے جسے بجا طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا (لایا ہوا) دین کہا جا سکتا ہے، انسانی تہذیب اور اخلاقیات کی ترقی اور فروغ کے لیے ان تمام مذاہب سے کہیں زیادہ کام کیا ہے، جو انسان کی تخلیق سے لیکر اب تک اس کی روح کو گرمانے کا باعث ہوئے ہیں"

پوری تقریر بہت توجہ اور دلچسپی سے سنی گئی، امید ہے کہ اس کے اردو اور انگریزی ترجمے کو پڑھ کر اس کی روشنی میں خود پاکستان کے لوگ اپنے نظری اور فکری رجحانات کا جائزہ لیں گے۔

پرنس آغا خان کا خطبۂ صدارت جذباتی اور تاثراتی نہ تھا، بلکہ حقیقت پسندانہ تھا،
اس کا لب لباب یہ تھا کہ زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے، بدلے ہوئے حالات میں سوچنا
یہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ کیسا ہو، یہ سوال مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت
رکھتا ہے، اگر اسلام اللہ تعالےٰ کا آخری پیام ہے، قرآن اس کا آخری کلام ہے، اور
پیغمبر اسلام اس کے آخری نبی ہیں تو کیا ہم اس سوال کا حل نہیں ڈھونڈھ سکتے ہیں،
اگر ہم اس حل کے نکالنے میں تاخیر کر رہے ہیں تو اس کوتاہی کا کوئی جواز نہیں، ہم سے
ربانی وعدہ ہے کہ ہم برباد نہیں کیے جائیں گے، لیکن ہم اپنی کوتاہی اور غفلت سے ان
حالات کو اپنے اوپر عائد کرتے جا رہے ہیں، جن کے ماتحت رہ کر اپنے معاشرے کو اپنا
نہیں کہہ سکتے، یا تو ہم زمانہ کے ساتھ اپنے کو بہنے کے لیے چھوڑ دیں یا پھر ہم اپنے لیے وہ
شاہراہ بنائیں جس پر ہم کو چلنا ہے، انسانی دماغ جو کچھ سوچ سکتا ہے، یا جس کا وہ
خواہاں ہو سکتا ہے، اس کی تمام بنیادی باتیں ہمارے رسول ﷺ کی زندگی اور سیرت میں موجود
ہیں، اگر ہم ان پر مخلصانہ طور سے غور کریں تو آئندہ کے لیے ہم مسلم معاشرہ کو صحیح طور سے
جدید متحرک اور ترقی پذیر بنا سکتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی کی تقریر اور پرنس آغا خان کے خطبہ میں مقررہ وقت سے زیادہ
وقت گذر چکا تھا، اسی کے بعد مقالہ خوانوں کا جلسہ شروع ہوا، جس کے لیے وقت کم
رہ گیا تھا، اس کی صدارت موری تانا کے وزیر ہمدان اولد طاہ اور انڈونیشیا کے ڈاکٹر
محمد ناصر نے کی، ایک گھنٹہ میں تقریباً بارہ مقالے پیش کیے جانے والے تھے، اسی اجلاس
میں پہلے ہی سے میرے مقالہ کے لیے وقت رکھا گیا تھا، جس کا موضوع اسلام اور مذہبی
رواداری تھا، مجھکو ایک بیرونی مہمان کی حیثیت سے دس منٹ کا وقت دیا گیا تھا،

اس تھوڑے سے وقت میں اس کے صرف کچھ ٹکڑے سنا سکا، اسٹیج سے اترا تو کچھ حاضرین
نے کہا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس دلچسپ مقالہ کو پورا سننے کا موقع نہ ملا، یہ مقالہ
انشاء اللہ معارف کی آئندہ اشاعت میں شائع ہوگا، چار اور مقالے اسی عاجلانہ طریقہ
سے پڑھے گئے، باقی چھ کے لئے اس کا موقع بھی نہ نکل سکا۔ ان مقالات کے عنوانات
یہ تھے، (۱) انڈونیشیا میں اسلامی قوانین کا نظام از ڈاکٹر اسمٰعیل سنی (انڈونیشیا)
(۲) پیغمبر اسلام کا پیام، از سید عبدالقادر الگیلانی (۳) موجودہ دور کی تجارت
پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں، از پروفیسر عبدالعزیز، (۴) اسلامی حکومت کی
خلافت کے متعلق اسلامی نظریہ، از ڈاکٹر منظور الدین احمد، (۵) مغربی اہل علم اور
پیغمبر اسلام، از ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی (۶) پیغمبر اسلام ایک قانون داں کی
حیثیت سے از مولانا محمد تقی عثمانی، یہ مقالے پڑھے نہ جا سکے۔

مقالہ خوانی کا اجلاس ختم ہوا، تو علماء کی عوامی پارٹی کی طرف سے مہران ہوٹل میں
ایک لنچ تھا، مولانا ارشد تھانوی نے انگریزی میں مہمانوں کا خیر مقدم کیا، اس
استقبالیہ کی صدارت کویت کے نمائندے جناب سید یوسف ہاشم الرفاعی نے
کی پھر بہت ہی پرتکلف کھانا بڑی خوش سلیقگی سے کھلایا گیا، اسی کے بعد نشتر
پارک میں خانہ کعبہ کے امام جناب محمد عبداللہ السبیل کی امامت میں جمعہ کی نماز
ہوئی، پورا شہر ٹوٹ پڑا تھا، اخبار والوں کا بیان ہے کہ بیس لاکھ نمازی تھے، نماز کے بعد
خانہ کعبہ کے امام محمد عبداللہ السبیل، مولانا احتشام الحق تھانوی، ڈاکٹر محمد حسین
الطحابی، اور لبنان کے مفتی اعظم کے مواعظ ہوئے، تقریباً تین بجے نمائندے
قائد اعظم میموریل لے جائے گئے، وہاں سے وہ پاکستان نیشنل میوزیم آئے، جہاں

کلام پاک کے نادر نسخوں کی نمائش تھی، اس کا افتتاح حکومت پاکستان کے محکمۂ تعلیم
کے وزیر مملکت میاں محمد عطاء اللہ صاحب نے کیا، اس میں کلام پاک کے کچھ ایسے نسخے
بھی تھے، جو کوفی، نسخ، ثلث، بہار، ریحان اور غبار خط میں لکھے گئے تھے، مشہور خطاط
یاقوت المستعصمی، احمد بن سہروردی اور عبد الباقی حداد کے ہاتھوں کے بھی لکھے ہوئے
نسخے تھے، اسی روز پانچ بجے شام کو شہریوں کی طرف سے نمایندوں کا خیر مقدم کیا گیا،
سپاسنامہ حاجی قاسم عباس پٹیل نے پڑھا، اس کا جواب لیبیا کے وزیر فضیلت مآب
محمد عبد السلام الفیتوری نے دیا، اس موقع پر قاری مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دیوبند
کی بھی ایک مختصر تقریر ہوئی، جس میں انھوں نے فرمایا کہ اس سیرت کانگریس سے
اسلامی ممالک کے اتحاد کی راہ ہموار ہوگئی ہے،

رات کو سندھ کے گورنر کی طرف سے ڈنر تھا، وہ شیروانی اور شلوار میں ملبوس
تھے، سب سے فرداً فرداً ملے، کھانا حسب معمول پرتکلف تھا، ڈنر کے بعد ان کی ایک
تقریر ہوئی، جس کا جواب شمالی یمن کے وزیر اوقاف فضیلت مآب محمد الصباحی نے
دیا، آخر میں خانہ کعبہ کے امام صاحب نے تمام مسلمانوں کے لیے ایک موثر دعا کی۔

۱۳ مارچ کو کوئٹہ کا پروگرام تھا، مگر معلوم ہوا کہ وہاں موسم کی خرابی کی وجہ سے
کوئی ہوائی جہاز نہ جاسکے گا، دن کا کھانا مہران ہوٹل ہی میں ہوا، اسی روز پانچ بجے
شام کو وزیر اعظم جناب ذو الفقار علی بھٹو کی طرف سے ایک ایٹ ہوم تھا جو سندھ کے
وزیر اعلیٰ کے گھر پر دیا گیا،

اس میں وزیر اعظم نے ایک تقریر بھی کی جس کا سلسلہ دیر تک جاری رہا، اس تقریر
میں انھوں نے اسلام اور داعی اسلام علیہ السلام کے ساتھ گہری محبت و عقیدت کا

اظہار کیا، بیچ بیچ میں حاضرین چیرس دیتے رہے، تقریر میں بعض مسائل و معاملات کا ذکر بھی
آگیا، جب تقریر ختم ہوئی تو کویت اور افغانستان کے نمائندوں نے اپنا نقطۂ نظر بھی پیش کیا،
اتنے میں مغرب کا وقت آگیا اور حاضرین نماز کے لیے صف بستہ ہوگئے، امامت کے
فرائض امام بیت اللہ نے انجام دئے، یہ منظر بڑا ہی پُر اثر تھا، مختلف قوموں اور
ملکوں کے نمائندے شانہ سے شانہ ملائے کھڑے تھے، وزیر اعظم بھی ایک مصلی کی طرح
شریک جماعت تھے، نماز کے بعد وزیر اعظم سب کی نشستوں پر خود جا کر فرداً فرداً ملے،

وزیر اعظم کے اس استقبالیہ کے بعد نمائندے انٹر کونٹی نینٹل ہوٹل میں موتمر اسلامی
کی طرف سے ایک استقبالیہ میں مدعو تھے، اس کی صدارت انڈونیشیا کے ڈاکٹر محمد ناصر نے
کی، صدر موتمر اسلامی پاکستان جناب انعام اللہ خان صاحب کی طرف سے مہمانوں کو مسلم
گزیٹیر آف دی ورلڈ کا ایک ایک نسخہ پیش کیا گیا، اس مفید کتاب میں دنیا
کے ہر ملک کے مسلمانوں سے متعلق کار آمد معلومات فراہم کیے گئے ہیں، مہمانوں کی
پذیرائی میں موتمر کے نائب صدر جناب مولانا حسن مثنیٰ ندوی اور جنرل سکریٹری پیش
پیش تھے، اسی استقبالیہ میں گفٹس آف اسلام کے نام سے ایک فلم دکھائی گئی جس میں
خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے علاوہ دنیا کے تمام ملکوں کی شاندار مسجدوں، اسلامی تعمیرات
کی یادگاروں اور صنعت کاریوں کے نمونے دکھائے گئے تھے، آخر میں امام صاحب خانہ کعبہ
نے تمام مسلمانوں کے لیے ایک موثر دعا کی، یہاں کی پرتکلف چائے کے بعد نمائندے
حاجی کیمپ لے جائے گئے، جہاں رائٹرز فورم کی طرف سے ایک ڈنر تھا، حاجی کیمپ
کی وسیع عمارت روشنی سے جگمگا رہی تھی، ہر حصہ کو بجلی کے رنگ برنگ قمقموں سے
آراستہ کیا گیا تھا، استقبال کے لیے گھوڑ سوار کھڑے سلامی بھی دے رہے تھے،

بینڈ باجا بھی بج رہا تھا، بکثرت مدعوئین تھے ڈائس بھی بہت ہی شاندار بنایا گیا تھا، اسکے خصوصی مہمان خانۂ کعبہ کے امام صاحب تھے، رائٹرز فورم کے سکریٹری نے اپنی رپورٹ پڑھی، جس میں یہ اعلان کیا کہ آیندہ سے اس کا نام اسلامی رائٹرز فورم ہوگا، پھر بنگلہ دیش کے نمائندہ مولانا محمد علی صاحب نے اسٹیج پر آکر تقریر کی، وہ ڈھاکہ میں مدرسہ عالیہ کے پرنسپل ہیں، اس اجتماع سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنی تقریر میں بڑے پرجوش انداز میں کہا کہ

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ان کی تقریر سلیس اردو میں ہوئی، پھر خانۂ کعبہ کے امام صاحب نے عربی میں تقریر کی، انھوں نے بڑی صاف گوئی سے کہا کہ

جلسہ سیرت النبی میں غیر شرعی چیزیں دیکھی جائینگی تو اللہ کی رحمت کی امید نہیں کی جاسکتی ہے، اس کے بعد حسب معمول بہت ہی پرتکلف کھانا ہوا اس تقریب کے سارے اخراجات ولیکا مل کے مالک نے برداشت کئے، نمائندے بارہ بجے رات میں اپنی اپنی قیام گاہوں پر واپس آ گئے،

۱۴ مارچ کو نو بجے کانگریس کا آخری اجلاس شروع ہوا، اس کی صدارت افغانستان کے وزیر جناب وصی اللہ سمیع نے کی جو اسلامک سکریٹریٹ کے جنرل سکریٹری بھی ہیں، اس کے خصوصی مقرر پاکستان کے مشہور ایڈوکیٹ اے کے بروہی تھے، انکی تقریر انگریزی میں ہوئی، موضوع پیغمبر اسلام کا پیغمبرانہ مشن تھا، تقریر بڑی ہی پُر اثر تھی، میں نے پورے اجلاس میں اس سے بہتر تقریر نہیں سنی، تقریر کے بعد حبیب بینک کی ۲۰ ویں منزل پر چائے تھی، اس بلندی سے پورا شہر کراچی دکھائی دے رہا تھا،

ان کے بعد مقالہ خوانی کا اجلاس شروع ہوا، اس کی صدارت لیبیا کے فضیلت مآب محمد عبد السلام الغفیلوری، اور ترکی کی ڈاکٹر مسز امیل یاسین (ترکی) کرنے والی تھیں مگر ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے شمالی یمن کے وزیر اوقاف فضیلت مآب محمد الصباحی نے کی، مقالات بڑی تعداد میں تھے، جو کوئٹہ میں پڑھے جانے والے تھے، وہ بھی یہاں کے اجلاس کے پروگرام میں رکھے گئے تھے، عنوانات یہ تھے (۱) اسلام میں طب از ڈاکٹر ڈیوڈ بیگم (امریکہ) (۲) روح کے لئے مذہب جسم کے لیے دوا از۔ ڈاکٹر جینی لوپ جانسٹن، (۳) اسلامی قوانین کی ناقابل تغیر نوعیت اور ان کا استعمال از۔ جسٹس قدیر الدین احمد (پاکستان) (۳) بے مثال پیغمبر از۔ سید ہاشم رضا، (پاکستان) (۴) اسلام اور مذہبی رواداری از ڈاکٹر ام۔ او۔ اے عبدل (نائجیریا) (۵) پیغمبر اسلام اور جدید دور کے جرائم کے مسائل، از۔ مولانا ارشاد الحق تھانوی، (۶) پیغمبر اسلام ایک قانون داں کی حیثیت سے از مسٹر ام۔ اے۔ احمد (۷) پیغمبر محمد جدید سائنس دور کے بانی از۔ ڈاکٹر سید سبط نبی باقوی، (پاکستان) (۸) پیغمبر اسلام امن اور سلامتی کے قاصد کی حیثیت سے، از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، (۹) قرآن اور سنت کی ہم آہنگی، از۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمن۔ (۱۰) پیغمبر کی سنت۔ ایک ادارہ (۱۱) اسلام اور انسانی علم کی ترقی، از۔ ڈاکٹر عبد اللہ قدسی، (۱۲) قرآن اور سائنس کی تلاش از۔ ڈاکٹر وارث علی ترمذی، (۱۳) پیغمبر اسلام اور تعلیم، از ڈاکٹر محمد سلطان (افغانستان) (۱۴) جاپان میں اسلام از۔ ڈاکٹر عبد الکریم ساتو (۱۵) مورشیس میں اسلام، از۔ مسز حسین دابل۔

اس اجلاس کے صدر شمالی یمن کے وزیر اوقاف نے اس موقع پر تجویز پیش کی کہ

پاکستان میں چھٹی اتوار کے بجائے جمعہ کو ہونا چاہیے، جو بالاتفاق منظور ہوئی، پورے اجلاس میں ڈاکٹر محمد عبد الرؤف اور جناب سید یوسف ہاشم الرفاعی چھائے رہے ڈاکٹر عبد الرؤف اس وقت واشنگٹن کے اسلامک سنٹر کے ڈائرکٹر ہیں، تعلیم جامعہ ازہر، کیمبرج اور لندن یونیورسٹیوں میں پائی، جامعہ ازہر اور ملایا کی یونیورسٹی میں استاد رہ چکے ہیں، وہ تمام مقالہ نگاروں کے خلاصے انگریزی اور عربی میں سناتے رہے، کویت کے سید یوسف ہاشم الرفاعی نے بھی یہ خدمت انجام دی، اس اجلاس کے بعد سندھ کے وزیر اوقاف کی طرف سے سمندر کے کنارے بیچ لگزری ہوٹل میں دوپہر کا کھانا تھا، پر تکلف طعام کے ساتھ سمندر کا منظر بہت ہی دل فریب تھا،

اسی روز شام کو انٹر کونٹی نینٹل ہوٹل میں آخری اجلاس تھا، جس کی صدارت حکومت پاکستان کے مذہبی امور کے وزیر مولانا کوثر نیازی نے کی اس میں نمائندوں کی طرف سے تجویزیں اور سفارشیں پیش ہونے والی تھیں، مہمانوں کا خیر مقدم حکیم محمد سعید (ہمدرد دواخانہ) نے ایک انگریزی تقریر میں کیا، تجویزیں اور سفارشیں پہلے ہی لکھ لی گئی تھیں، جنھیں جناب تجمل ہاشمی سکریٹری وزارت مذہبی امور نے پڑھ کر سنایا۔ پہلی تجویز میں موتمر اسلامی پاکستان کے صدر جناب انعام اللہ خان صاحب نے اس کانگریس کے انعقاد پر حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کیا، اور تمام اسلامی ممالک سے درخواست کی کہ وہ بھی اپنے یہاں اسی قسم کی کانگریس ہر سال منعقد کریں، پاکستان اور دوسرے اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں سیرت کا مستقل شعبہ قائم کیا جائے، نیز اسلامی اور مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں بھی یہ شعبہ قائم کرانے کی کوشش کریں اور ایک بین الاقوامی سیرت کمیٹی بھی قائم ہو۔

جامعہ مدینہ کے شیخ عبد الحلیم محمود کی تجویز یہ تھی کہ تمام اسلامی ممالک سے سفارش کی جائے کہ وہ اسلامی شریعت کا نفاذ کریں، اپنے قوانین شریعت کے مطابق بنائیں، اسلامی اخوت کی بنا پر ایک دوسرے سے یگانگت اور موانست پیدا کریں، سائنس اور ٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیمات کا بندوبست کریں، عربی زبان کی تعلیم کا انتظام کرکے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اس کو مشترکہ زبان بنا دیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کوئی فلم اپنے یہاں تیار نہ ہونے دیں، رابطۂ عالم اسلامی کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم نہ کرتے ہوں، ان کو کافر قرار دیا جائے، سیرۃ النبیؐ کی تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں لازمی قرار دی جائے، اس کی طرف سے یہ بھی اعلان ہوا کہ سیرت پر تحریری مقابلہ کے لیے پانچ انعامات دیے جائیں گے، پہلا انعام پچاس ہزار، دوسرا چالیس ہزار، تیسرا تیس ہزار، چوتھا بیس ہزار، اور پانچواں دس ہزار سعودی ریال کا ہوگا، یہ کتاب آئندہ سال محرم کی پہلی تاریخ تک رابطۂ عالم اسلامی مکہ کے دفتر میں پہونچ جانا چاہیے، کتاب عربی یا کسی اور مشہور زبان میں ہو، اس انعام کے فیصلہ کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس میں ہندوستان کے جناب مولانا ابو الحسن علی ندوی کا بھی اسم گرامی ہے۔

صدر موتمر پاکستان جناب انعام اللہ خان کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ اسلام کے دشمن اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کی خاطر جو کوشش کرتے ہیں، اس کی طرف اسلامی ممالک پوری توجہ کریں، اور جو لوگ قرآن مجید کے معانی و مطالب کی غلط تعبیر کرتے ہوں ان کے خلاف سخت اقدام کریں۔

انعام اللہ خان صاحب کی یہ بھی تجویز تھی کہ پاکستان کی بین الاقوامی کانگریس میں

جتنے مقالات پڑھے گئے ہیں، وہ کتاب کی صورت میں شائع کئے جائیں، اور ان کے ترجمے بھی اہم زبانوں میں ہوں۔

ماریتانیہ کے وزیر فضیلت مآب جناب حمدان ولد طاہ کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ ایک انٹرنیشنل سیرت کمیٹی قائم کی جائے، جو تمام دنیا میں عید میلاد النبی منائے، دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں سیرت پر عام فہم لٹریچر شایع کرے، سیرت پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا جائزہ لے کر یہ رہنمائی کرے کہ وہ اسلامی ممالک میں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں، موجودہ دور کے ذوق کے مطابق عربی میں سیرت پر ایک مستند کتاب لکھی جائے، اور اس کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوں، مسجد نبوی سے متصل سیرت کا ایک بین الاقوامی کتب خانہ قائم کیا جائے، جہاں ریسرچ کرنے والوں کو ضروری کتابیں مفت مہیا کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے تمام اہم مقامات مقدسہ کا جغرافیائی مطالعہ کر کے کتابیں اور رسالے تیار کئے جائیں۔

بلجیم کے پروفیسر ڈاکٹر خان کناپرٹ کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ اسلامک اسٹیڈیز کی ایک کانگریس ہر سال منعقد ہو تاکہ اس سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم ایک دوسرے سے مل کر استفادہ کیا کریں۔

قبرص کے مفتی اعظم کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ ایک بین الاقوامی اسلامی کمیٹی فوراً بنائی جائے جو باضابطہ طور پر دنیا کے تمام مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے، اور اسلام کو جو کہ انسانیت کا مذہب ہے اس کی اصلی منزل تک لے جائے، اور اسلامی اخوت کی صحیح فضا پیدا کرے، اسلامی ممالک کی حکومتیں دنیا کے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو تسلیم کرانے کی کوشش کریں، خواہ یہ مسلمان کسی حصہ کے ہوں۔

آسٹریلیا کے ڈاکٹر اسمٰعیل بالک کی یہ تجویز تھی کہ سیرت کی یہ بین الاقوامی کانگریس یورپ کے تمام ممالک خصوصاً جرمنی اور آسٹریا سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اسلام کو باضابطہ مذہب تسلیم کرے۔

لبنان کے مفتی اعظم کی یہ تجویز تھی کہ تمام اسلامی ممالک میں ہفتہ کی چھٹی جمعہ کے روز ہو، اور اسلامی ممالک کے تمام قوانین شریعت کے مطابق ہوں، اور ان کا نفاذ بھی ہو۔

مراکش کے شیخ محمد المنتونی کی طرف سے یہ تجویز تھی کہ سیرت کی بین الاقوامی کانگریس کے نمائندوں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے یہاں کے تعلیمی نصاب اسلامی طرز کے بنائیں، جہاں عربی مادری زبان نہ ہو وہاں اس کی تعلیم لازمی قرار دی جائے، پرائمری درجہ میں کلام پاک کے پانچ پارے ضرور پڑھائے جائیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں سیرۃ النبی صلعم کا پڑھانا لازمی قرار دیا جائے، سیرۃ النبی پر زیادہ سے زیادہ کتابیں شایع کرنے کا انتظام کیا جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں زیادہ سے زیادہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جہاں سے مبلغین اسلام تعلیم پا کر فارغ ہوتے رہیں، اسلامی ممالک میں اسلامی علوم وفنون کے زیادہ سے زیادہ ادارے قائم کئے جائیں، جو لوگ دن کے وقت کام میں مشغول رہتے ہوں، ان کو اسلامی تعلیم دینے کے لئے رات کے ادارے کھولے جائیں، اسلامی اخلاق اور قدروں کی اشاعت کے لیے خاص توجہ کی جائے، اسلامی ممالک میں غیر اسلامی قوانین ختم کر دئے جائیں، اسلامی ممالک کے دفاتر اور کارخانوں میں نماز کا اہتمام کیا جائے، ان کے لیے مسجدیں تعمیر کر کے پیش امام بھی مقرر ہوں، اسلامی ممالک کی عورتیں اسلامی اخلاق اور قوانین کی پابندی کریں، اسلامی علوم وفنون کے اداروں میں مفید اسلامی لٹریچر کے باہمی تبادلہ کے لیے سہولتیں فراہم کی جائیں۔

ماریشس کے نمایندہ جناب محمد حسین دہال کی تجویز تھی کہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت سے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں، اس لیے آپ کی سیرت پاک بین الاقوامی زبانوں میں پیش کی جائے، اس کے لئے اسلامی ممالک کی حکومتیں اپنے بجٹ میں کوئی رقم متعین کر رکھیں۔ اسلامی ممالک متحدہ اقوام پر زور دیں کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے غیر مسلم حکومتوں کو آمادہ کریں کہ وہ اپنی مسلم اقلیتوں کے نکاح، طلاق، اور وراثت وغیرہ کے شرعی قوانین میں مداخلت نہ کریں۔

سنگاپور کے نمائندہ مولوی بابو صاحب کا یہ ریزولیوشن تھا کہ جلد از جلد اسلامی حکومت کا ایک نمونہ پیش کیا جائے، علماء کی ایک بین الاقوامی مجلس بنائی جائے، تاکہ وہ موجودہ زمانہ میں سائنسی اور صنعتی ترقیوں کی وجہ سے اسلام کو جو خطرات پیدا ہو رہے ہیں، ان کا سد باب کرے، مسلم ممالک غیر مسلم ممالک سے مطالبہ کریں کہ ان کی مسلم اقلیتیں اپنے اسلامی اقدار کو کھوئے بغیر اپنی ملازمتوں میں مشغول رہیں، ایسی انجمنیں بھی قائم کی جائیں جو مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک میں صحیح اسلامی کلچر کی ترویج میں مدد دیں۔

انڈونیشیا، سنگاپور، فن لینڈ اور انگلستان کے نمائندوں نے متحدہ طور پر ایک تجویز پیش کی جس میں پہلی بین الاقوامی سیرت کانگریس کے انعقاد پر پاکستان کو مبارکباد دی گئی، پاکستان کو نمونہ کے طور پر ایک اسلامی حکومت بننے پر زور دیا گیا، مسلم ممالک سے باہمی اتحاد اور یگانگت کی درخواست کی گئی، مسلم ممالک سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ برطانوی حکومت پر زور دیں کہ وہاں کے مسلمانوں کا فیملی قانون ان کی شریعت کے مطابق قائم رہے، فلسطین پر صیہونیت کے تسلط کی مذمت کی گئی اور مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لیے اقدام پر زور دیا گیا۔

یہ تجاویز بحث و مباحثہ کے بغیر ایک کمیٹی کے حوالے کر دی گئیں، اس موقع پر مولانا کوثر نیازی نے اعلان کیا کہ آیندہ سیرت کی بین الاقوامی کانگریس ترکی میں ہوگی، اور اس کا ایک مستقل بین الاقوامی سکریٹریٹ پاکستان میں قائم رہے گا، امریکہ کے شیخ عبد الرؤف نے اس کانگریس کی کامیابی پر حکومت پاکستان، ہمدرد نیشنل فونڈیشن، مولانا کوثر نیازی اور حکیم محمد سعید کا شکریہ مندوبین کی طرف سے ادا کیا، اس رات کو الوداعی ڈنر حکیم محمد سعید کی طرف سے سبزی منڈی میں تھا، جس میں انکی ایک عزیزہ کا نکاح خانۂ کعبہ کے امام صاحب نے پڑھایا، اس موقع پر بکثرت مدعوئین تھے، ۱۶ مارچ کو امیر فیصل بازار میں وہاں کے مشہور تاجر پیارے میاں کی طرف سے نمائندوں کو ایک پرلطف ظہرانہ دیا گیا، جس میں امام حرم صاحب اور مولانا کوثر نیازی بھی تھے، شام کو جمعیت پنجابی سوداگران دہلی کی سلور جوبلی کا جلسہ تھا جس میں مندوبین بھی مدعو کئے گئے تھے، ان کی بڑی تواضع کی گئی، اور ان کی خدمت میں ایک ایک حمائل اور بارہ ۱۲ قسم کے عطروں کا ایک مخملی ڈبہ پیش کیا گیا، ڈائس بہت ہی شاندار بنایا گیا تھا، اس موقع پر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا عبد الخالق رحمانی، امام صاحب اور مولانا کوثر نیازی کی تقریریں بھی ہوئیں، مولانا ظفر احمد انصاری نے فرمایا کہ دنیا اب ہر قسم کے نظام سے پریشان ہو کر ایک ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو صحیح معنوں میں سکون عطا کر سکے، اور یہ نظام اسلام ہی کا نظام ہے، انھوں نے سیرت کانگریس کے ایک عیسائی نمائندہ منٹگمری واٹ کا بیان نقل کیا کہ یہودیت اور عیسائیت میں عالمگیریت نہیں تھی، دنیا کو اب ایک عالمگیر پیام کی ضرورت ہے جو صرف اسلام ہی پیش کر سکتا ہے، امام حرم نے

فرمایا کہ جو لوگ قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتے، انھوں نے رسول اللہ صلعم کے اخلاق پر کاربند رہنے کی تلقین کی اور روزانہ حیات طیبہ کے مطالعہ کی نصیحت کی، اس جلسہ میں مولانا کوثر نیازی کی پر زور، پر اثر اور ولولہ انگیز تقریر نے سامعین کو مسحور کر دیا، وہ بہت اچھے خطیب ہیں، لیکن شاید یہ ان کی زندگی کی بہترین تقریروں میں شمار ہو، یہاں انکی تقریر کی نقل کی گنجائش نہیں ہے، خلاصہ یہ تھا کہ حضور اکرمؐ کی سیرت ایک مستقل تحریک بن چکی ہے، پاکستان میں سیرت کے غلغلہ سے اتحاد عالم اسلامی کی راہیں ہموار ہوگئی ہیں، اس اتحاد کی بنیاد صرف سیرت مبارک ہی ہو سکتی ہے، جس پر تمام مکاتب فکر متحد ہیں، اقامت دین کی منزل بھی اسی کے ذریعہ طے ہو سکتی ہے، آج زمانہ کو اسلام کی طرف صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ذریعہ بلایا جا سکتا ہے، انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ کہا کہ آیندہ صدی اسلام اور غلبۂ اسلام کی صدی ہوگی، دنیا نے ہر نظام کو آزما کر دیکھ لیا، لیکن ہنوز سکون سے محروم ہے، اس لیے اب وہ سرکار دو عالمؐ کے دروازہ پر ہی آکر رہے گی، امام بیت اللہ کے پیچھے جو لاکھوں مصلیوں نے اپنی نمازیں ادا کیں ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس شاندار اور بے مثال اجتماع سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ ہماری ثقافت کیا ہے، اس سے قبل کچھ دانشور پیچ در پیچ مباحث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہماری کوئی ثقافت نہیں اور جو کچھ بھی ہے مانگے تانگے کی ہے، انھوں نے اپنے ان ناقدوں کو جو یہ کہہ کر معترض تھے کہ سیرت کانگریس کے بجائے عمل چاہیے، یہ جواب دیا کہ کیا ذکر رسول عمل نہیں ہے، جب وہ تقریر کر کے بیٹھے تو پسینہ سے شرابور تھے، اس جلسہ کے بعد جمعیت پنجابی سوداگران دہلی کی طرف سے ہوٹل میں ایک پر تکلف ڈنر تھا، اس کے ساتھ

اس کانگریس کا اجلاس ختم ہوگیا۔

۱۰ مارچ کی صبح مندوبین ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے تھے رخصت ہوتے وقت ان کو کانگریس کی طرف سے کلام پاک کے دو دو نسخے ملے، ایک شیخ محمد اشرف کا شائع کردہ عبد اللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے کے ساتھ، اور دوسرا شفیق پریس کراچی کا طبع کردہ، ایک جانماز اور سنگ مرمر کا لیمپ بھی دیا گیا، اس سے پہلے ایک چمڑے کا ہینڈ بیگ ملا تھا جس میں ہمدرد دواخانہ کی بنی ہوئی ایک سفری جانماز اور ایک تسبیح تھی، اسی کے ساتھ ایک ڈائری لیٹر پیڈ، پنسلیں اور اسٹیشنری کے کچھ سامان تھے،

اس کانگریس سے متعلق یہاں کے لوگوں　　کی زبانی طرح طرح کی باتیں سننے میں آئیں، مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے انعقاد سے گو اسلامی شریعت کا احیا نہیں ہوا مگر دلوں میں اس کا خیال ضرور آیا، اور اسلامی غیرت و حمیت کا جذبہ بیدار ہوا، مجھکو جن جن بیرونی نمایندوں سے گفتگو کرنے کا موقع ملا، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ اپنی آخری پناہ گاہ اسلام ہی کو سمجھنے پر مجبور ہوگئے ہیں، وہ اپنی فکر و نظر کو اغیار کے بال خانہ میں گروی رکھنے پر مطمئن نہیں ہیں، نہ چھوٹے نگوں کی صناعی اور میناکاری ان کے لیے باعث مسرت ہے۔

جمہوریہ لبنان

از

محمد نعیم صدیقی ندوی، ایم اے (علیگ) رفیق دارالمصنفین

جمہوریہ لبنان جو اس وقت شدید خانہ جنگی میں مبتلا ہے، مختلف حیثیتوں سے مغربی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے، اس کا رقبہ گیارہ ہزار چار سو مربع کیلو میٹر ہے، اور آبادی ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق اٹھائیس لاکھ چوّن ہزار ۶۳۶ ہے، اس کے شمال مشرق میں شام، جنوب میں فلسطین یا اسرائیل اور مغرب میں بحیرۂ روم واقع ہے، صدر مقام بیروت ہے، قومی پرچم تین رنگوں پر مشتمل ہے، اوپر نیچے سُرخ اور درمیان میں ایک سفید پٹی ہے جس پر صنوبر کا درخت بنا ہوا ہے، پورا ملک پانچ منطقوں میں تقسیم ہے، پھر ہر منطقہ متعدد تحصیلوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے

منطقہ	صدر مقام	تحصیلیں
بیروت	بیروت	
شمالی لبنان	طرابلس	طرابلس[1]، الکورہ، عکار، زغرتا، البترون[2]، بشری[3]

[1] اس فہرست میں تحصیلوں کے جتنے نام مذکور ہیں، یہ سب خود اپنی تحصیلوں کے صدر مقام اور لبنان کے نمایاں شہر ہیں، طرابلس انگریزی میں ٹریپولی کہلاتا ہے، طرابلس لیبیا میں بھی ہے، اس لئے اسے پہلے طرابلس الشام کہتے تھے، لبنان پہلے شام ہی میں شامل تھا، اس کی آبادی دو لاکھ ہے، یہاں عراقی

منطقہ	صدر مقام	تحصیلیں
جبل لبنان	بعبدا	بعبدا[1]، جبیل[2]، کسروان، متن عالیہ[3]، شوف
جنوبی لبنان	صیدا	صیدا[4]، جزین[5]، النبطیہ[6]، مرجعیون[7]، صور[8]، بنت جبیل[9]، حاصبیا[10]

(بقیہ حاشیہ ص: ۲۹۲)

پائپ لائن سے لایا ہوا تیل صاف کرنے کا ایک بڑا کارخانہ ہے، اس شہر کو ۶۳۸ھ میں عربوں نے فتح کیا، اپنی تجارت اور عظیم کتب خانہ کے لئے بہت مشہور ہے، ۱۱۰۹ھ میں اس پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا، پھر سلطان قلاؤن نے ۱۲۸۹ھ میں اس کو دوبارہ حاصل کیا، ۱۹۱۸ء میں ترکوں کے ہاتھ لگا، قلعہ سان جیلی، مدرسہ خاتونیہ اور جامع مسجد وغیرہ اس کے قابل دید آثار ہیں، یہاں صابون، دباغت، اور بنائی کے کارخانے ہیں،

[2] آبادی سات ہزار، [3] آبادی دس ہزار، عربی کے مشہور صاحب طرز ادیب اور افسانہ نگار جبران خلیل جبران کا وطن ہے،

حاشیہ ص: ۲۹۳

[1] آبادی سات ہزار، صدر جمہوریہ کا محل یہیں ہے، [2] آبادی سات ہزار، اس کا قدیم نام ببلوس ہے، لبنان کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے، یہ فینیقیوں کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے، بائبل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، یہاں متعدد آثار قدیمہ ہیں،

[3] آبادی دس ہزار [4] صیدا بیروت سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، ساٹھ ہزار کی آبادی پر مشتمل یہ لبنان کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے، لیموں، کیلا، اور مچھلی کے لئے مشہور ہے، ۶۳۸ھ میں عربوں کی فتوحات میں شامل ہوا، ۱۱۱۱ھ میں اس پر صلیبیوں کا غلبہ ہوگیا، ۱۲۹۱ھ میں

منطقہ	صدر مقام	تحصیلیں
البقاع	زحلہ	بعلبک[۱]، ہرمل[۲]، راشیا[۳]، البقاع الغربی، زحلہ[۴]

ان میں لبنان کے اہم شہر بیروت، طرابلس، زحلہ، صیدا، بنطیہ، بعلبک اور جبیل ہیں، دراصل یہ ایک پہاڑی ملک ہے، یہاں دو پہاڑی سلسلے پائے جاتے ہیں، ایک اندرون ملک اور دوسرا ساحلی، یہ دونوں سلسلے شمال مشرق سے جنوب مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں، مغربی پہاڑی سلسلہ نہر کبیر اور نہر لیطانی کے درمیان ۱۶۰ کیلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے، اس کی اہم چوٹیاں جبل عکاز، منیطرہ، باروک، ینجا، ریحان اور عامل ہیں، مشرقی پہاڑی سلسلہ میں جبل الشیخ بہت اہمیت کا حامل ہے، ان دونوں پہاڑی سلسلوں کے درمیان بقاع کا ایک سو بیس[۲۰] کیلومیٹر کا طویل سرسبز میدان ہے، لبنان کا نصف حصہ تقریباً تین ہزار فٹ کی سطح مرتفع پر ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۳) سقوط عکا کے بعد دوبارہ عربوں کے قبضہ میں آگیا، ۱۶۶۰ھ میں یہ دولت عثمانیہ کا پایۂ تخت بھی رہا ہے، ۱۸۳۷ء کے زلزلوں میں بالکل تباہ ہوگیا تھا، سلیمان پاشا نے از سر نو اس کو تعمیر کیا، اور بسایا، [۵] آبادی آٹھ ہزار اپنے آبشار شالوف کے لئے مشہور ہے، [۶] آبادی ۳۰ ہزار، ایک بڑا تجارتی مرکز ہے، [۷] آبادی ۸ ہزار، ایک سرسبز و شاداب شہر، اور فوجی چھاؤنی ہے، [۸] صور کو انگریزی میں ٹائر کہا جاتا ہے، آبادی تیس ہزار پانچسو، یہاں سیب کی پیداوار اور گنے کی کاشت بکثرت ہوتی ہے، [۹] آبادی بارہ ہزار، [۱۰] آبادی ۷ ہزار، [۱۱] آبادی پچیس ہزار، [۱۲] آبادی آٹھ ہزار [۱۳] آبادی چار ہزار [۱۴] آبادی ستر ہزار، یہ شہر نہر بردونی کے کنارے واقع ایک سیاحتی مرکز ہے، انگوروں اور شراب کی کثرت کیلئے مشہور ہے۔

بیروت، لبنان کا دار السلطنت ہے، جو ایک زبردست تجارتی اور تعلیمی مرکز کی حیثیت سے آفاقی شہرت رکھتا ہے، سات لاکھ دو ہزار آبادی والے اس شہر میں نہ صرف لبنان بلکہ پوری دنیا کی چار اہم یونیورسٹیاں ہیں، لبنان[۱] یونیورسٹی، امریکن[۲] یونیورسٹی، سینٹ[۳] جوزف یونیورسٹی (۱۸۷۵ء میں قائم ہوئی تھی) اور عرب[۴] یونیورسٹی (جو اسکندریہ یونیورسٹی سے ملحق ہے) لبنان تعلیمی میدان میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے، چنانچہ بیروت کی مذکورہ یونیورسٹیوں کے علاوہ لبنان میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار سرکاری پرائمری اور ثانوی اسکول ہیں، پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے، مزید برآں پانچ ٹیچرز ٹریننگ کالج بھی ہیں، دو[۲] اعلیٰ پایہ کے تحقیقی ادارے حکومت فرانس کی زیر سرپرستی قائم ہیں، لبنان اکیڈمی برائے فنون لطیفہ میں فن تعمیر، مصوری، اور موسیقی وغیرہ کے شعبے شامل ہیں۔

لبنان کی سرکاری زبان عربی ہے لیکن فرانسیسی اور اس سے زیادہ انگریزی کا استعمال سرکاری اور تجارتی دونوں حلقوں میں وسیع پیمانے پر ہوتا ہے، اخبارات ان تینوں زبانوں میں شائع ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں سے عربی میں پچیس، فرانسیسی میں پانچ، انگریزی میں دو، آرمینیائی زبان میں چار اخبار نکلتے ہیں، جن کی مجموعی تعداد اشاعت تین لاکھ سے زائد ہے،

لبنان بنیادی طور پر ایک زراعتی ملک ہے، حالانکہ مخصوص طبعیاتی حالات کے باعث ملک کے کل رقبہ کا صرف ۳۰ فی صد حصہ فی الحال زیر کاشت ہے، قدیم جنگلوں کو کاٹ ڈالا گیا ہے، اور اب وہ تقریباً ختم ہوگئے ہیں، اس وقت اسّی ہزار ایکڑ جنگلات لکڑی کے لئے بچے ہوئے ہیں، غلّے، انگور، زیتون، کیلے، لیموں اور سیب یہاں بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ سیب کی کثرت پیداوار میں یہ ملک پورے عالم عرب میں عدیم المثال ہے، چنانچہ یہاں سے سالانہ ساٹھ ہزار ٹن سے بھی زیادہ عمدہ قسم کے سیب باہر کے ملکوں کو

برآمد کئے جاتے ہیں، بیروت میں بسکٹ اور کیک کے دو بڑے بڑے کارخانے بھی قائم ہیں، کہا جاتا ہے کہ یہاں کے بنے ہوئے کیک اپنی خوش ذائقگی میں تمام یورپ میں شہرت رکھتے ہیں، زیتون یہاں کثرت سے ہوتا ہے، طبعی و مصنوعی ریشم اور نائیلون کے تمام اقسام کے کپڑے بھی لبنان میں بہت زیادہ تیار کئے جاتے ہیں، اسی طرح تعمیراتی کام میں استعمال ہونے والے سامان مثلاً لوہا، سیمنٹ، پتھر، موزیک اور سنگ مرمر وغیرہ کی پیداوار بھی قابلِ ذکر ہے،

لبنان میں لوہے کی کانیں بھی وافر ہیں، مگر اُن میں کام کرنا بہت دشوار ہے، اس کے علاوہ معدنیات میں تانبہ، شورہ اور سیسہ بھی کافی پایا جاتا ہے،

یہاں تیل صاف کرنے کے دو بڑے کارخانے ہیں، ایک طرابلس (Tripoli) میں جو عراقی پائپ لائن سے اور دوسرا صیدا (Sidon) میں جو سعودی عرب سے بذریعہ پائپ لائن لایا ہوا تیل صاف کرتا ہے، ان کارخانوں کی پیداوار پورے ملک کی صاف شدہ تیل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے،

لبنان کا خاص ذریعہ آمدنی بیرونی و مقامی تھوک اور خوردہ تجارت ہے، جس سے ملک کی کل آمدنی کا ۳۱ فی صد حصہ حاصل ہوتا ہے، ادھر کچھ عرصہ سے بعض ہمسایہ ملکوں کی تجارتی تحفظ کی پالیسی کے باعث لبنان کی تجارت نسبتاً انحطاط پذیر ہے، لیکن دوسری طرف بنک، حکومت اور سیاحت کی آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے،

بیروت لبنان کی سب سے بڑی اور مصروف ترین بندرگاہ ہے، یہاں سالانہ لاکھوں ٹن مال اُتارا اور چڑھایا جاتا ہے، پورٹ طرابلس بھی مختلف سامانوں اور پٹرول کے نقل و حمل میں اضافہ کے باعث کافی تیزی سے ترقی پذیر ہے، اُن کے علاوہ ملک کے جنوب میں اسرائیلی لبنانی سرحد کے قریب واقع صیدا کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ اور بھی ہے، جو فی الحال کسی

قابلِ ذکر اہمیت کا حامل نہیں ہے،

یہاں کا سرکاری سکہ لبنانی پونڈ ہے جو سو قرش کے مساوی ہوتا ہے، البنان زرد و بنک کے ذریعہ جاری کیا جاتا ہے، یہ بنک یکم اپریل ۱۹۶۴ء کو قائم ہوا تھا، یہاں کے سرکاری شرح تبادلہ میں برابر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، لیکن عملی طور پر اس شرح کا استعمال صرف لبنانی درآمدات پر محصول اور درآمداتی اعداد و شمار کے لئے ہوتا ہے، دوسرے مقاصد کے لئے کھلے بازار کی شرح کا استعمال عام ہے،

لبنان کی بری فوج تقریباً بیس ہزار ہے، علاوہ ازیں سات ہزار کے قریب نیم فوجی تنظیمیں اور ایک ہزار پولیس اور پانچسو سیکورٹی فوج کا عملہ ہے، باقاعدہ فوج اور نیم عسکری تنظیمیں خاص طور سے برطانوی امریکی اور فرانسیسی اسلحہ کا استعمال کرتی ہیں، ملک کی بحری فوجی طاقت دس گشتی جہازوں اور ۲ دو طیارہ بردار جہازوں پر مشتمل ہے، جن پر کام کرنے والوں کی تعداد پانچ سو ہے، لبنان کی فضائیہ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار نفوس اور پچاس طیارے ہیں، کئی ہنٹر جٹ فائٹر، بمباری کرنے والے دستے کے علاوہ دس میراژ سوم، آواز سے تیز رفتار لڑاکا طیارے بھی ہیں، اس کے علاوہ ایک ڈوو (Dove) ہلکا طیارہ اور آٹھ الوٹ دوم و سوم ہیلی کاپٹر اور ٹانکا مجسٹر طیارے بھی ہیں،

لبنان میں تین ریلوے لائنیں مصروفِ عمل ہیں، نقورہ، بیروت صیدا، اسٹینڈرڈ لائن (جس میں نقورہ سے صیدا کا حصہ اسرائیل کے قیام کے بعد زیر استعمال نہیں رہا) چھوٹی لائن جو بیروت سے میدان بقاع ہوتی ہوئی شام میں دمشق تک جاتی ہے، اسٹینڈرڈ لائن جو طرابلس سے شام کے اندرونی حصوں تک جاتی ہے، اور جس کے ذریعہ انقرہ و استنبول تک پہنچنا ممکن ہے،

بیروت کا بین الاقوامی ہوائی اڈہ بہت سی انٹرنیشنل فضائی کمپنیوں کا مستقر ہے، یہ ہوائی سروسیں لبنان کو دنیا کے بہت سے ملکوں سے ملاتی ہیں، لبنان کے متعدد شہروں مثلاً بیروت، طرابلس، صیدا، زحلہ اور بہت سے گاؤں میں خودکار ٹیلی فون رابطے قائم ہیں، اب اس نظام کو پورے ملک میں عام کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، اسرائیل کے ساتھ لبنان کے کسی بھی قسم کے مواصلاتی روابط نہیں ہیں۔

اجمالی تاریخ

لبنان کی تاریخ بہت قدیم ہے، رومیوں کے عہد میں یہ شام کا ایک حصہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب شام فتح ہوا تو پہلے کی طرح لبنان شام ہی میں شامل رہا، بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں بھی یہی صورت رہی، صلیبی حملوں کے زمانہ میں اس علاقے میں بھی لڑائیاں ہوئیں، اور بحری راستہ سے یورپ کے جنگ آزما آتے رہے، اور اسی وقت سے یہاں عیسائیوں کی آبادی میں اضافہ شروع ہوا، ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول نے اس کو دولت عثمانیہ کے حدود میں شامل کر لیا، اور ترکوں کے آخری دور تک لبنان مسلمانوں کے زیر نگیں رہا، پہلی جنگ عظیم میں جب ترکوں کو شکست ہوئی اور فاتحین نے اُن کے مقبوضات کی قطع برید کر دی تو شام بھی کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا، اس طرح لبنان کی ایک علیحدہ ریاست وجود میں آگئی، جب ۱۹۱۸ء میں فرانس کا تسلط ہو گیا، یہاں عیسائیوں کی تعداد زیادہ تھی، مگر وہ علمی اور تجارتی اعتبار سے بہت ترقی یافتہ تھے، فرانسیسی دور میں اُن کو اور زیادہ اہمیت دی گئی، اور کوشش کی گئی کہ عالم عرب میں ایک طرف یہودی سلطنت اور دوسری طرف عیسائی ریاست قائم ہو جائے تاکہ یوروپین طاقتوں کو مداخلت کا موقع ملتا رہے،

۱۹۲۶ء میں لبنان جمہوریہ بنا اور اسی سال الجمہوریۃ اللبنانیہ کے نام سے ۱۶ مئی کو اس کا پہلا آئین نافذ ہوا، پھر وطن پرستوں کی طویل جد و جہد کے بعد ۲۶ نومبر ۱۹۴۱ء کو بیروت میں لبنان کی آزادی کا اعلان کیا گیا، ۲۷ دسمبر ۱۹۴۳ء کو فرانسیسی قومی کمیٹی برائے آزادی اور لبنان کے نمائندوں کے درمیان معاہدہ پر دستخط ہوئے

جن کی رو سے حکومت کے وہ اختیارات جو اب تک فرانس کے ہاتھ میں تھے، یکم جنوری ۱۹۴۴ء سے لبنان کی قومی حکومت کے سپرد کر دیئے گئے، اور دسمبر ۱۹۴۶ء تک بیرونی فوجوں کا تخلیہ بھی مکمل ہو گیا، ۱۹۴۵ء سے وہ ایک آزاد عرب جمہوریہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ میں شامل ہے۔

لبنان کی سرزمین انقلابات اور بغاوتوں کی مسلسل آماجگاہ رہی ہے، ۱۹۱۹ء میں جبکہ فرانس کے تسلط کو صرف ایک ہی سال گذرا تھا، مقام شوف میں فرانسیسی گورنر اور بحریہ کے کمانڈر انچیف کے خلاف بغاوت کی زبردست آگ بھڑک اٹھی تھی، جس کو سرد کرنے کے لئے حکومت کو اپنی پوری طاقت صرف کرنی پڑی تھی، پھر ۱۹۴۳ء میں بھی قومی تحریک حریت نے شدت اختیار کر لی تھی، اس کے بعد مئی ۱۹۵۸ء کے اوائل میں صدر شمعون[1] کی مخالفت جس میں دوسروں کے ساتھ ناصر حامی مسلمان بھی شامل تھے، ایک بغاوت کی صورت اختیار کر گئی، مخالفین اور باغی گروپ صدر سے استعفاء کے طالب تھے، لیکن اس نے تمام خانہ جنگیوں کے باوجود اپنے عہدہ کی مدت پوری کی، اس ہولناک بغاوت میں پانچ ماہ تک بیروت، طرابلس، صیدا اور شمالی بقاع کے علاقے باغیوں کے ہاتھ میں رہے، ۱۵ جولائی کو صدر شمعون کی درخواست پر امریکی حکومت نے ایک زبردست فوج اور بحری طاقت لبنان کے لئے روانہ کی جس نے بغاوت کو فرو کیا، اور پھر حالات معتدل ہونے پر امریکی فوجیں واپس چلی گئیں،

اس کے بعد کے صدارتی انتخابات میں شمعون کی جگہ جنرل فواد شہاب[2] نے حاصل کی، پھر

---

[1] پورا نام کمیل نمر شمعون ہے، ۱۹۰۰ء میں بمقام دیر القمر (لبنان) میں پیدا ہوا، یہ ایک نامور وکیل اور ممتاز سیاستدان تھا، ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۸ء تک جمہوریہ لبنان کے منصب صدارت پر فائز رہا، [2] جنرل فواد شہاب ۱۹۰۲ء میں لبنان کے شہر غزیر میں پیدا ہوئے، ۱۹۴۵ء میں لبنان کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف مامور ہوئے، ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۴ء تک جمہوریہ لبنان کے صدر رہے،

صدر ہو منتخب ہوکر ۶ سال تک اپنے عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں لبنان کے موجودہ صدر سلیمان فرنجیہ برسر اقتدار آئے ان کے عہدہ کی مدت ستمبر ۱۹۷۶ء میں تمام ہوگی،

سلیمان فرنجیہ ۱۵ رجون ۱۹۱۰ء میں بمقام اہدن (لبنان) پیدا ہوئے، ۱۹۶۰ء میں پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوکر کئی بار وزیر بنے، ایک بار شمعون کے عہد صدارت میں کسی حادثۂ قتل میں ملوث ہوکر لبنان سے راہ فرار اختیار کی، اور دمشق میں پناہ لی تھی، اسی زمانۂ قیام میں شام کے موجودہ صدر حافظ الاسد سے اُن کی شناسائی ہوئی، جو گہری دوستی میں تبدیل ہوگئی، ۶۰ء میں وہ لبنان واپس آئے، پھر جب ۷۰ء میں صدارتی انتخاب ہوا، تو یہ بھی امیدوار بنے، اور اپنے حریف الیاس سارکیس سے ایک ووٹ کم حاصل کیا تھا یعنی ۹۹ رکنی ایوان میں ۵۰ ووٹ سارکیس کو اور ۴۹ فرنجیہ کو ملے تھے، لبنانی دستور کے مطابق صدارتی امیدوار کو اپنے مخالف سے قابلِ ذکر حد تک زیادہ ووٹ لینا چاہئے، چنانچہ پارلیمنٹ کے اسپیکر نے سلیمان فرنجیہ کی ناکامی کا اعلان کر دیا، لیکن پھر فرنجیہ کی ناشائستہ دھمکیوں سے خوفزدہ ہوکر اسپیکر نے اُن کو صدر تسلیم کرلیا،

یہ واقعہ ہے کہ لبنان میں مجموعی حیثیت سے عیسائی اقلیت میں اور مسلمان غالب اکثریت میں ہیں، لیکن جدید محققین اس ملک کی آبادی کے جو اعداد و شمار دیتے ہیں، اس میں ۳۲ء کی مردم شماری کے حوالے سے عیسائیوں کی اکثریت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ گوناگوں وجوہ کے باعث مسلمانوں نے اس مردم شماری کا مقاطعہ کرکے اس سے بے تعلقی اختیار کی تھی، جس کا نتیجہ ظاہر تھا، فرانسیسی حکومت نے یکطرفہ اعداد و شمار تیار کرکے لبنان کو عیسائی اکثریت کا ملک قرار دیدیا، اس کے بعد سے اب تک وہاں کے مسلمان بار بار دوسری صحیح مردم شماری کا مطالبہ کرتے رہے ہیں، لیکن حکومت اس کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی ہے،

چنانچہ اسی ناقابلِ اعتبار مردم شماری کی بنیاد پر قومی آئین کی تشکیل عمل میں آئی جس کی رُو سے طے پایا کہ جمہوریۂ لبنان کا صدر ہمیشہ مارونی فرقہ کا مسیحی، وزیر اعظم سنی مسلمان، اور پارلیمنٹ کا اسپیکر شیعہ ہوا کرے گا، اس دستور کے مطابق صدر جمہوریہ کی ذات ملک کی طاقت کا اصل منبع و مخزن ہوتی ہے، وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا، وزیر اعظم کو جو دستور کی رو سے ہمیشہ مسلمان ہوگا، صدر منتخب کرتا ہے، وہ آئینی طور پر بے حد محدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے، وہ نہ صرف اپنے اقدامات کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے بلکہ اس کی وزارتی کابینہ کو ایوان جب چاہے، یکسر معطل بھی کرسکتا ہے،

لبنان میں مسلمان اپنی اکثریت کے باوجود سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی ہر حیثیت سے عیسائیوں کے مقابلہ میں نہایت پسماندہ ہیں، سلیمان فرنجیہ نے وہاں عیسائیوں کے سیاسی مستقبل کا تحفظ کرنے کے لئے کئی نہایت غیر منصفانہ قدم اٹھائے، مثلاً اُن کو حکومت کے اہم کلیدی عہدوں پر مامور کیا، فوج خصوصاً بحریہ میں اُن کے اثر کو بڑھایا، اس کے علاوہ غیر مسلموں کو لبنانی قومیت بہت فیاضی کے ساتھ دی، تمام ترقیاتی پلانوں کو عیسائیوں کی اکثریت والے علاقوں تک محدود رکھا، لبنانی مسلمانوں اور فرنجیہ حکومت کے درمیان نزاع کا اصل سبب یہی غیر منصفانہ رویہ ہے، جس نے سینوں کا ناسور بننے کے بعد ایسی ہولناک شکل اختیار کرلی ہے، جس طرح لبنانی مسلمانوں کو عیسائی آبادی کے سیاسی و معاشی غلبہ کی شکایت ہے، اسی طرح فوج میں جو مسلمان ہیں، اُن میں بھی حق تلفی کا احساس شدت سے پایا جاتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ۷۳ء میں صدر فرنجیہ نے امریکہ اور اسرائیل سے سازباز کرکے فلسطینی مجاہدین پر فوج کشی کردی، اسکے بعد ہی مجاہدین آزادیٔ فلسطین نے سلیمان فرنجیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا، پھر صدر نے عیسائیوں کو فلسطینی مجاہدین کے خلاف صف آرا کیا، انھیں خفیہ طور پر امریکی ہتھیار دلائے، اصل بات یہ ہے کہ وہ اسرائیل کے منشا کے عین مطابق

خانہ جنگی کے ذریعہ لبنان کو دو جدا جدا حصّوں میں منقسم کر دینا چاہتے ہیں، تاکہ اسرائیل کی طرح عربوں کے قلب میں ایک اور خنجر پیوست ہو جائے، یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ لبنان کے عیسائیوں کی مکمل اکثریت فرنجیہ کی حامی نہیں ہے، بلکہ صرف ایک خاص طبقہ ان کی طرف سے برسرِ کار ہے، ورنہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی اب بھی پشت پناہ ہے، اور وہ صدر کے طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتی ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ لبنانی پارلیمنٹ کے ارکان کی غالب تعداد نے فرنجیہ کو صدارت کا نااہل قرار دے کر مستعفی ہو جانے کی تجویز منظور کی، لیکن اچانک فلنجسٹ عیسائیوں کے اُن کی حمایت میں سینہ سپر ہو جانے کے باعث صدر نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، اس کے نتیجہ میں جو خوفناک خونریزی ہوئی، اور برابر ہو رہی ہے، اس کی مثال پوری تاریخ میں نہ مل سکے گی،

لبنان کی یہ خانہ جنگی کوئی اچانک پیش نہیں آئی ہے، بلکہ استعماری طاقتوں نے وہاں سے اپنے قدم نکالتے وقت دونوں قوموں کے درمیان نفرت، اختلاف اور نزاع کے جو بیج مختلف شکلوں میں چھوڑے تھے اسی کا درخت اب بار آور ہو رہا ہے، اب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان وقتی و عارضی اتحاد تو ہو سکتا ہے، لیکن مستقل امن اور پائدار سلامتی صرف اسی وقت ممکن ہے جب اُس کے چہل سالہ فرسودہ آئین میں اقتضائے وقت کے مطابق ترمیم کر کے مسلمانوں کو اپنے وطن میں عزت و وقار کے ساتھ رہنے کا حق دیا جائے، اور اُن کی بالادستی تسلیم کی جائے، صرف فرنجیہ کا عہدۂ صدارت سے مستعفی ہو جانا مسئلہ کا قطعی حل نہیں ہے، اور اگر خدانخواستہ لبنان کو دو علیحدہ علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کئے جانے کا اسرائیل کا خواب شرمندۂ تکمیل ہو گیا، تو یہ عالمِ عرب کا ایک عظیم ترین المیہ ہو گا،

یہ سطور پریس میں جا رہی تھیں کہ یہ خبر آئی کہ فرنجیہ استعفا دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور صدر شام حافظ الاسد اور مہاجرینِ فلسطین کے قائد یاسر عرفات کی کوششوں سے دونوں متحارب فریقوں کے درمیان جنگ ملتوی ہو گئی ہے، اور اپریل کو پارلیمنٹ نے طے کر دیا کہ فرنجیہ کے بجائے دوسرے صدر کا انتخاب کر لیا جائے۔

تلخیص و تبصرہ

قرآن حکیم کے اعجاز کا ایک نیا پہلو

از مولوی محمد اجمل صاحب اصلاحی، استاذ مدرسۃ الاصلاح

مصر کے ایک نوجوان ماہر کیمسٹری الکٹرانی آلات کے ذریعہ اعداد و شمار کی روشنی میں قرآن مجید پر ریسرچ کر رہے ہیں، ذیل میں اس انٹرویو کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، جو پچھلے دنوں مشہور مصری مجلہ "آخر ساعۃ" میں شائع ہوا تھا، یہی انٹرویو بعد میں رابطہ عالم اسلامی کے ترجمان "اخبار العالم الاسلامی" (۱۹ جنوری ۷۶ء) میں بھی شائع ہوا ہے، اس دلچسپ انٹرویو میں محقق نے اپنی تحقیقات اور انکشافات کی داستان بیان کی ہے، جو نہایت حیرت انگیز ہے، امید ہے کہ یہ مضمون علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب دونوں طبقوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گا۔ (مترجم)

کیمسٹری کے مشہور نوجوان مصری ماہر ڈاکٹر رشاد خلیفہ پانچ سال سے زائد عرصہ سے الکٹرانی آلات کے ذریعہ قرآن کریم پر ریسرچ میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں جن نتائج تک ان کی رسائی ہوئی ہے وہ انتہائی حیرت انگیز ہیں، ریسرچ میں الکٹرانی آلات استعمال کرنے کی تیاری کے ساتھ قرآن مجید کی ہر سورہ کے ابجدی حروف کے اعداد و شمار فراہم کرنے کا عظیم الشان صبر آزما اور محنت طلب کام دو سال کی مدت میں انجام پایا۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد شمار کی ترتیب کے اعتبار سے ان کے نمبر نوٹ کئے، ہر سورہ کی آیتوں کو شمار کیا، اور ہر سورہ میں جو حروف آئے ہیں ان میں سے ہر حرف کے مکررات کی مجموعی تعداد نوٹ کی، اور ان ہزاروں لاکھوں اعداد کو کمپیوٹر کے حوالہ کر دیا۔ ان اعداد و شمار کی تیاری میں موصوف نے جتنی محنت، عرق ریزی اور دماغ سوزی سے کام لیا ہوگا اس کا اندازہ لگانے کے لئے یہ جاننا کافی ہوگا کہ قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں، اور ڈاکٹر صاحب کو ہر سورت میں ایک ایک حرف کو شمار کرنا پڑا۔

ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے اپنی تحقیقات کی ابتدا ان حروف کے مفہوم کا سراغ لگانے سے کی جو قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ان حروف کے معانی کی تشریح و تفسیر میں جنہیں فواتح السور، یا حروف مقطعات کہتے ہیں ہمیشہ علماء کا اختلاف رہا ہے، جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے، ۸۶ سورتیں مکی اور ۲۸ سورتیں مدنی ہیں، ان سورتوں میں ۲۹ ایسی ہیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں، یہ حروف ایک سے پانچ تک کی تعداد میں آئے ہیں، مثلاً ق، ص، ن اور کہیعص۔

یہی حروف جو بظاہر کوئی مفہوم نہیں رکھتے اور اسی وجہ سے بعض حضرات نے ان کا نام "حروف غامضہ" رکھا ہے، الکٹرانی آلات کے ذریعہ ان کے معانی معلوم کرنے کے لیے اس نوجوان مصری ماہر کیمسٹری کی تحقیقات کا نقطۂ آغاز تھے، ان تحقیقات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ قرآن کریم کے اعجاز کی مادی اور محسوس دلیل اور قطعی اور روشن ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر رشاد خلیفہ ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو محافظۃ "الغربیہ" میں سکونت

پذیر ہے۔ امریکہ میں اپنی تعلیم اور قیام کے دوران موصوف نے ایک امریکن خاتون سے شادی کی جس نے انہی کے ہاتھ پر اپنے اسلام کا اعلان کیا، اس کا نام اسٹفانی ہے۔۔۔۔

الکٹرانی آلات کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق ڈاکٹر رشاد کی تحقیقات و تجربات میں ان کی اہلیہ نے اہم رول ادا کیا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے خود فرمایا۔ وہ نمبروں کو ٹائپ کرتیں، ان کے نتائج کے تجزیہ میں تعاون کرتیں، اور ان تحقیقات کو جاری رکھنے کے لئے مسلسل ہمت افزائی کرتی رہتیں۔

آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا معجزہ

الکٹرانی آلات کے ذریعہ قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران اپنی تحقیقات کے آخری نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن حکیم کی اولین آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تجزیہ سے نہایت حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے، اس آیت کریمہ کے ابجدی حروف میں اس حقیقت کی مادی، اور محسوس دلیل پوشیدہ ہے کہ قرآن حکیم کسی انسان کا نتیجۂ فکر نہیں ہے"

ان کی یہ بات سن کر میں نے کہا میں سمجھ نہیں سکا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اس پر ڈاکٹر صاحب مسکرائے اور ایک ضخیم فائل نکالی، اس فائل میں وہ اوراق تھے جن پر کمپیوٹر نے اپنے اعداد اور نمبر ثبت کئے تھے ان صفحات پر بکھرے ہوئے بے شمار اعداد و اشارات کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔

ڈاکٹر صاحب نے اعداد کی ایک مجموعی تعداد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

"یہ آیت کریمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۹ حروف پر مشتمل ہے، اس عدد کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں مثلاً یہ عدد دو گنتیوں ۹ اور ۱ سے مل کر بنا ہے، اسی طرح ۱۹ ایک طاق عدد ہے، یعنی وہ کسی اور عدد سے تقسیم قبول نہیں کرتا، اس کے برعکس مثلاً"

۱۰ کا عدد ۲، ۳، ۶، ۹ سے تقسیم ہو سکتا ہے، اسی طرح ۲۰ کا عدد ۲، ۴، ۵، ۱۰ سے تقسیم ہو سکتا ہے۔

ان کی یہ بات سن کر میں نے سوالیہ نگاہوں سے نوجوان محقق کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا:

"الکٹرانی آلات کے ذریعہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں سے متعلق آپ کی تحقیقات سے اس کا کیا تعلق ہے؟" اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا:

"کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن حکیم کے سلسلہ میں میری تازہ تحقیقات سے ۱۹ کے عدد کے بارے میں جو قرآن حکیم کی اولین آیت کے حروف کی تعداد ہے بعض حیرت انگیز حقائق کا انکشاف ہوا ہے"۔ ڈاکٹر صاحب اوراق الٹ رہے تھے، اور ان کی آنکھوں میں ایک عجب چمک تھی:

"لفظ "اسم" قرآن مجید میں ۱۹ بار آیا ہے، اور لفظ "بسم" ۳ بار کمپیوٹر کے ذریعہ مطالعۂ قرآن سے یہ انکشاف ہوا کہ لفظ "اسم" کے مکررات کی تعداد کو لفظ "بسم" کے مکررات کی تعداد میں ضرب دیں تو حاصل ضرب جو عدد ہوگا وہی قرآن مجید میں لفظ "الرحمٰن" کے مکررات کی تعداد ہے یعنی ۵۷ دوسرے لفظوں میں لفظ "الرحمٰن" قرآن مجید میں ۵۷ بار آیا ہے اور یہ عدد ۱۹ اور ۳ کا حاصل ضرب ہے، یعنی (۱۹ × ۳ = ۵۷)

اسی پر بس نہیں بلکہ لفظ "الرحیم" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم کی حیثیت سے قرآن حکیم میں ۱۱۴ بار آیا ہے، یہی تعداد قرآن کریم کی سورتوں کی بھی ہے، نیز یہ عدد بھی ۱۹ ہی کے مکررات سے عبارت ہے (۱۹ × ۶ = ۱۱۴)

"اللہ" کا لفظ قرآن حکیم میں ۲۶۹۸ بار آیا ہے، یہ عدد بھی ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، (۱۹ × ۱۴۲ = ۲۶۹۸)

اسی کے ساتھ ساتھ مکمل آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم میں ۱۱۴ بار آئی ہے جو سورتوں کی تعداد ہے، حالانکہ ایک سورہ یعنی "توبہ" اس سے خالی ہے، اس کی تلافی سورہ نمل میں ہو جاتی ہے، جہاں یہ آیت دو مقام پر آئی ہے، ابتدا میں اور آیت نمبر ۳۰ میں، ۱۱۴ کا عدد بھی قدرتی طور پر ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے"!

میں نے کہا: "اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹ کا عدد بہت متبرک ہے، قرآن کریم کی لفظی ترکیبوں کے سلسلہ میں اس کی اہمیت معلوم ہو جانے کے بعد ساری دنیا میں مسلمانوں کو اس عدد کو بابرکت سمجھنا چاہئے"۔

ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن حکیم کے مطالعہ سے غالباً جو سب سے اہم انکشاف ہوا وہ یہی کہ قرآن حکیم کی اولین آیت (جو خود بھی ۱۹ حروف سے مرکب ہے،) کا ہر لفظ جتنی بار قرآن حکیم میں آیا ہے وہ عدد ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، تنہا یہی انکشاف قرآن حکیم کی لفظی ترکیبات کے اعجاز کا نہایت روشن ثبوت ہے۔

اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ سنئے، مشہور مصری عالم محمد فواد عبد الباقی کی تالیف "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم" جس کے متعدد ایڈیشن مصر اور دوسرے عرب ممالک میں شائع ہو چکے ہیں اتفاق سے میرے ہاتھ لگی، اس کتاب کے بعض حقائق میری توجہ اور کشش کا باعث بنے، اس کتاب سے میرے بہت سے انکشافات کی تصدیق ہوئی، مثلاً یہ کہ لفظ "اسم" قرآن مجید میں ۱۹ بار آیا ہے، اسی طرح لفظ "بسم" ۳ بار یہ دونوں باتیں صحیح ہیں، مگر لفظ "اللہ" کے متعلق مولف نے لکھا ہے کہ لفظ "اللہ" ضمہ کے ساتھ

۹۸۰ بار، فتحہ کے ساتھ ۵۹۲ بار اور کسرہ کے ساتھ ۱۱۲۵ بار آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ "اللہ" قرآن حکیم میں صرف ۲۶۹۷ بار آیا ہے۔

کمپیوٹر کا کہنا تھا کہ لفظ اللہ ۲۶۹۷ کی بجائے ۲۶۹۸ بار آیا ہے، چنانچہ کمپیوٹر کے تمام حسابات پر میں نے نظر ثانی کی۔ اس نظر ثانی اور مراجعت سے معلوم ہوا کہ "معجم" کے مولف نے شمار کرنے میں ایک مقام کو چھوڑ دیا ہے، جہاں لفظ "اللہ" کسرہ کے ساتھ آیا ہے، اور وہ مقام ہے آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم، انھوں نے سورہ فاتحہ کی دوسری آیت سے لفظ اللہ مکسور کو شمار کرنا شروع کیا جس کے نتیجہ میں تعداد کم ہوگئی، گویا کسرہ کے ساتھ اللہ کا لفظ قرآن حکیم میں ۱۱۲۵ کی بجائے ۱۱۲۶ بار آیا ہے، اور لفظ اللہ کے مکررات کی مجموعی تعداد ۲۶۹۸ ہوگی جو ۱۹ پر تقسیم ہوتی ہے، یعنی (۲۶۹۸ = ۱۴۲ × ۱۹) اس طرح کمپیوٹر نے صاحب "المعجم المفہرس" کی غلطی کی صحیح گرفت کی۔

ڈاکٹر ارشاد خلیفہ کمپیوٹرز کے ذریعہ قرآن مجید کے مطالعہ سے حاصل شدہ نتائج کو قرآن کے اعجاز کی ایک مادی اور محسوس دلیل تصور کرتے ہیں، جس کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"مثلاً جب آپ تلاوت کرتے ہیں "قل ھو اللہ احد" تو یہ لفظ "اللہ" محسوب ہوتا ہے، اسی طرح جب آپ "اللہ الصمد" پڑھتے ہیں تو یہاں بھی لفظ "اللہ" محسوب ہوتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالے چاہتا ہے کہ قرآن حکیم میں لفظ اللہ کے مکررات کی تعداد ان حروف کی تعداد پر تقسیم ہونی چاہئے، جن سے اولین قرآنی آیت مرکب ہے یعنی "بسم اللہ الرحمن الرحیم"۔

میں ڈاکٹر صاحب کا مطلب سمجھ گیا۔ میں نے عرض کیا، کمپیوٹرز کے ذریعہ

قرآن کریم کے مطالعہ سے ۱۹ کے عدد کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ عدد جیسا کہ آپ کی تحقیقات کے نتائج سے پتہ چلتا ہے، خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ اگر مسلمان اس عدد کو نیک شگونی اور برکت کی علامت تصور کریں تو ان کو یہ حق پہنچتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اصل معجزہ ۱۹ کے عدد میں نہیں بلکہ آیت کریمہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں ہے جو ۱۹ حروف سے مرکب ہے، اور جس کے ہر لفظ کے مکررات قرآن مجید میں ۱۹ ہی کے مکررات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آیت کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ہر لفظ کے مکررات کی تعداد اس آیت کے حروف کی تعداد پر تقسیم ہوتی ہے۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ مجرد اتفاق ہے، لیکن میرے نزدیک یہ احتمال بہت بعید اور ناقابل قبول ہے، اتفاق ایک بار ہو سکتا ہے، دو بار ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ اتفاق ہونا غیر قدرتی اور غیر فطری ہے، آپ کوئی بھی کتاب اٹھالیں، یہ احتمال کہ اس کتاب کے پہلے جملہ کا ایک لفظ اس کتاب میں اتنی بار آیا ہوگا کہ اس کی مجموعی تعداد اس جملہ کے حروف کی تعداد پر تقسیم ہو جائے، مجرد اتفاق کی رو سے بہت کمزور احتمال ہے، یہ احتمال کہ کتاب کے پہلے جملہ کے دو الفاظ اتنی بار آئے ہوں کہ ان کی تعداد اس جملہ کے حروف کی تعداد پر منقسم ہو جائے، نہایت کمزور احتمال ہے، اور یہ کہ متواتر ۳ الفاظ کے ساتھ ہی اتفاق پیش آئے ناممکن اور محال ہے۔ اس موقع پر مجھے کہنے دیجئے کہ آیت کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۴ الفاظ سے مرکب ہے، اور ہر لفظ کے مکررات کی تعداد قرآن مجید میں اس آیت کے الفاظ نہیں بلکہ حروف کی تعداد پر منقسم ہوتی ہے، اس تحقیق سے آیت کریمہ کے اعجاز کے بعض اہم گوشوں کا انکشاف ہوا ہے نیز اس انکشاف سے ثابت ہوتا ہے

کہ یہ آیت کریمہ اپنے الفاظ و حروف کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کے غیر انسانی ہونے کا مادی اور محسوس ثبوت پیش کرتی ہے، بلکہ وہ اس ابدی حقیقت کی بھی شہادت دیتی ہے کہ دوسری آسمانی کتابوں کے برعکس قرآن حکیم ادنیٰ تحریف سے بھی محفوظ ہے، دوسرے لفظوں میں یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر قرآن حکیم کی لفظی ترکیبات کی حفاظت کے لئے ضمانت کی کلید لیکر نازل ہوئی تھی، جس ضمانت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون (حجر ۱) — ہم نے آپ پر اتاری ہے نصیحت اور ہم اسکے نگہبان ہیں۔

مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۸ پر غور فرمائیں ارشاد ہوا:

ان الذین آمنوا والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله اولئك یرجون رحمة الله والله غفور رحیم۔ — جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں لفظ رحیم اپنے صحیح مقام پر کمال حکمت کے ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ اس لفظ کے مکررات میں یہ شامل رہے جن کی تعداد ۱۱۴ ہے یعنی اس حکم الٰہی کے مطابق جس کا انکشاف کمپیوٹرز کے ذریعہ قرآن حکیم کے مطالعہ سے ہوا ہے، یہ لفظ جو اس آیت میں آیا ہے مسوب ہے۔

دوسری مثال لیجئے۔ اسی آیت کے صرف ۸ آیتوں کے بعد ارشاد ہے۔

للذین یؤلون من نسائهم — جو لوگ قسم کھا رہے ہیں اپنی

تربص أربعة أشهر فان فاؤوا فان الله غفور رحیم — عورتوں سے ان کو فرصت ہے، چار مہینے کی پھر اگر مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس صفت "رحیم" کا استعمال کیا جائے۔ اس موقع پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہاں رحیم کی بجائے حلیم کی صفت بھی ہو سکتی ہے، وہ بھی تو اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، خصوصاً جب کہ قرآن کریم کے حفظ و تحریر کا کام اس وقت عمل میں آیا جب عرب دستاویزی یا علمی ریسرچ اور تحقیق کے دوسرے اصولوں سے ناآشنا تھے، اسی طرح کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اتنی زیادہ باریک بینی سے کام نہ لیجئے "غفور رحیم" "غفور حلیم" ہی کی طرح ہے، رحیم و حلیم میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ آج کل اوصاف کے استعمال میں لوگ زیادہ دقت نظر سے کام نہیں لیتے۔

ایسے مواقع پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے اس معجزہ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، جس کا انکشاف اس جدید تحقیق سے ہوا ہے، چنانچہ ہم بہ آسانی لفظ "رحیم" کے مکررات کی تعداد شمار کر سکتے ہیں، جو ۱۱۴ ہے اور معلوم ہو جائے گا کہ آیت کریمہ میں یہ لفظ بغیر کسی تحریف کے اپنے صحیح مقام پر استعمال ہوا ہے، یہ خود اس حقیقت کا بھی ایک روشن اور قطعی ثبوت ہے کہ امی عربوں نے ۱۴ صدیوں پہلے جس طرح قرآن حکیم کو حفظ کیا تھا، پھر اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ ہم تک منتقل کیا، وہ اس دور کے اہل علم کے لیے بھی دشوار ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا جس کا ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

لیکن کیا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا معجزہ اسی حد پر رک جاتا ہے؟

حروف مقطعات کا معجزہ

نوجوان محقق کا کہنا ہے کہ کمپیوٹرز کے ذریعہ قرآن کے مطالعہ سے ایک دوسرے ضمنی معجزہ کا بھی انکشاف ہوا ہے، اور وہ ہے حروف نورانی کا معجزہ، یہ وہی حروف ابجدی ہیں جو فواتح السور اور حروف مقطعات کے نام سے مشہور ہیں، جیسا کہ معلوم ہے، قرآن کریم کی ۲۹ سورتیں ان ہی حروف سے شروع ہوتی ہیں، ان حروف کی تعداد ۱۴ ہے اور وہ یہ ہیں۔

ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی،

انھیں "حروف نورانیہ" اور ان کے مقابلہ میں بقیہ حروف کو جو فواتح السور میں داخل نہیں ہیں "حروف ظلمانیہ" کہتے ہیں، جیسا کہ مصری محقق کا دعوی ہے کمپیوٹرز کے ذریعہ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ جن سورتوں میں یہ حروف نورانیہ آئے ہیں، ان میں ان حروف کے مکررات کی تعداد ۱۹ کے مکررات سے عبارت ہے، مثلاً سورہ ق میں حرف "ق" ۵۷ بار آیا ہے، اور ۵۷ کا عدد ۱۹ کا تین گنا ہے۔ (۱۹ × ۳ = ۵۷)

اسی طرح ایک دوسری سورہ میں بھی جو اس حرف سے شروع ہوتی ہے، اسکے مکررات کی تعداد ۵۷ ہے، اور وہ سورہ شوری ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے، حم عسق یعنی قرآن کی دو سورتوں میں جن میں "ق" حرف فاتحہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ اس کے مکررات کی تعداد ۱۱۴ ہوئی جو (۱۹ × ۶) کے مساوی ہے۔

دوسرا حرف "ص" لیجئے، حرف سورہ ص، سورہ اعراف (المص) اور سورہ مریم (کھیعص) میں آیا ہے، ان تینوں سورتوں میں حرف ص کے مکررات کی تعداد ۱۵۲ ہے، یہ عدد بھی ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے، (۱۹ × ۸ = ۱۵۲)

اسی طرح حرف "ن" سورہ قلم میں جو (ن والقلم وما یسطرون) سے شروع ہوتی ہے ۱۳۳ بار آیا ہے، یہ عدد بھی ۱۹ کے مکررات میں سے ہے، (۱۹ × ۷ = ۱۳۳)

"ی" اور "س" سورہ یٰس میں ۲۸۵ بار آئے ہیں، یہ عدد بھی ۱۹ کے مکررات میں سے ہے، (۱۹ × ۱۵ = ۲۸۵) "ط" اور "ہ" سورہ طٰہٰ میں ۳۴۲ بار آئے ہیں یعنی (۱۹ × ۱۸ = ۳۴۲)

اور سنئے، جب ڈاکٹر رشاد نے ان سات سورتوں میں جو "ح" اور "م" سے شروع ہوتی ہیں، دونوں حرفوں کے مکررات کو جوڑا تو ۲۱۲۶ نکلا، یہ عدد بھی ۱۹ کے مکررات میں سے ہے، اور (۱۱۴ × ۱۹) کے مساوی ہے، دوسرے لفظوں میں قرآن کی سورتوں کی تعداد کو پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کی تعداد میں ضرب دیدیں، اسی طرح سورہ شوری میں جو "عسق" سے شروع ہوتی ہے، تینوں حروف کے مکررات کو جوڑا گیا تو ۲۰۹ کا عدد نکلا جو ۱۹ پر تقسیم ہوتا ہے۔ (۱۹ × ۱۱ = ۲۰۹)

اسی طرح سورہ رعد میں جس کی ابتدا "المرا" سے ہوتی ہے چاروں حروف ا، ل، م، ر کے مکررات کی تعداد ۱۵۰۱ ہوتی ہے، یہ عدد بھی ۱۹ کے مکررات میں ہے (۱۹ × ۷۹ = ۱۵۰۱)

اپنی حیرت انگیز اور بصیرت افزا تحقیقات کی تفصیلات بتاتے ہوئے ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے فرمایا۔

"اگر قرآن مجید کے موجودہ رسم الخط میں تبدیلی کی جائے گی مثلاً صلوٰۃ، حیوٰۃ، زکوٰۃ کی بجائے صلاۃ، حیاۃ، زکاۃ لکھا جائے گا تو اس مستحکم اور دقیق میزان اور نظام میں خلل پیدا ہو جائے گا، جس کی حفاظت کے لیے یہ حروف نورانیہ پہرہ دار اور نگراں کی حیثیت سے سورتوں کے دروازوں پر رکھے گئے ہیں، چنانچہ مثلاً حرف "ا" کے مکررات کی تعداد مختلف ہو جائیگی اور وہ معیار مختل ہو جائے گا جس پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے معجزہ کی بنیاد ہے۔

بقیہ حروف نورانیہ مثلاً "الم" اور "کھیعص" کے متعلق ایک سوال کے جواب میں

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"کمپیوٹرز کے ذریعہ ان حروف کے حسابات کا کام جاری ہے"۔

ایک مزید انکشاف کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر رشاد نے فرمایا

"کمپیوٹرز کے ذریعہ قرآن کے مطالعہ کے دوران بعض جدید معلومات تک رسائی ہوئی جن سے قرآن کریم کے اعجاز کی بے شمار شکلوں میں اضافہ ہوتا ہے، مثلاً سورہ ق کی آیت ۱۳ پر غور کریں۔ بہت مختصر آیت ہے جس سے نگاہ تیزی سے گزر جاتی ہے، لیکن یہ آیت جس میں ارشاد ہے۔ "وعاد و فرعون و اخوان لوط" اپنے حروف کی روشنی میں ایک عظیم الشان معجزہ ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس انکشاف کی تفصیل اس طرح بیان کی،

"قوم لوط کا ذکر جو اپنے رسول پر ایمان نہیں لائی قرآن حکیم میں ۱۲ مقامات پر ہے

سورہ اعراف (۸۰) سورہ ہود (۷۰، ۷۴، ۸۹) سورہ حج (۴۳) سورہ شعراء (۱۶۰) سورہ نمل (۵۴، ۵۶) سورہ عنکبوت (۲۸) سورہ ص (۱۳) سورہ ق (۱۳) سورہ قمر (۳۳) قابل لحاظ امر یہ ہے کہ ان تمام آیات میں "قوم لوط" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، لیکن سورہ ق اس سے مستثنیٰ ہے، اس سورہ میں اخوان لوط کے الفاظ ہیں بس یہی ایک استثناء ہے۔ کمپیوٹر کا کہنا ہے کہ اگر سورہ ق میں "اخوان" کی بجائے "قوم" کا لفظ استعمال ہوتا تو سورہ ق میں حرف "ق" کے مکررات کی تعداد ۵۷ کی بجائے ۵۸ ہو جاتی، اس استثناء میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ۵۸ کا عدد ۱۹ کے عدد پر تقسیم نہیں ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ سورہ ق اور سورہ شوریٰ کے درمیان توازن برقرار رہے، سورہ ق کی طرح سورہ شوریٰ بھی حرف "ق" سے شروع ہوتی ہے، اور دونوں سورتوں میں حرف "ق" کے مکررات کی تعداد یکساں ہے، یعنی ۵۷ اگر سورہ ق کی آیت ۱۳ میں

لفظ "اخوان" کی بجائے "قوم" کا لفظ استعمال ہوتا تو یہ توازن ختم ہو جاتا، اسی کے ساتھ ساتھ یہ حکمت بھی پوشیدہ تھی کہ حضرت لوطؑ کی رسالت کے منکرین اور مومنین میں جنہیں مسلسل آلِ لوطؑ کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، فرق و امتیاز بھی باقی رہے، مثلاً سورہ حجر (۵۹ و ۶۱) سورہ نمل (۵۶) اور سورہ قمر (۳۴) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس تحقیق سے بھی ضمنی طور پر قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے، کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر کتاب ہے کہ محکم کی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر ان کی تفصیل کی گئی ہے، ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔

ڈاکٹر رشاد خلیفہ کی جدید تحقیقات کے ان حیرت انگیز نتائج کو سن کر میری حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی میں نے سوال کیا۔ "ان نتائج تک پہنچنے کے لیے کمپیوٹر کو کتنے حسابی عمل کرنے پڑے"؟

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ "۶۳ اکٹیلین یعنی ۶۳ جس کے دائیں طرف ۲۷ صفر ہوں"۔ میں نے پوچھا پیٹرول کے سلسلہ میں ریسرچ کے ساتھ ساتھ آپ کو قرآنی تحقیقات کے لیے کیسے فرصت مل جاتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے میرے سوال کا فوراً جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میں مسلسل ۵ سال سے فارغ اوقات میں یہ تحقیقات کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ میری کوششیں بڑی حد تک کامیاب ہوئیں جو قرآن حکیم کے اعجاز کے روشن دلائل ہیں۔

آخر میں میں نے دریافت کیا۔

"اس حسابی عمل کے لیے کمپیوٹر کے استعمال میں اب تک کتنے اخراجات کا اندازہ ہے"؟

اس سوال پر ڈاکٹر صاحب خاموش رہے۔ میرے اصرار پر قرآن حکیم کی یہ آیت ان کی زبان پر تھی۔

قل لئن اجتمعت الانس و	تو کہہ اگر جمع ہو دیں آدمی اور جن
الجن علیٰ ان یاتوا بمثل	اس پر کہ لا دیں ایسا قرآن نہ لا دیں
ھذا القرآن لا یاتون	گے ایسا اگرچہ بعض بعض کی مدد کریں
بمثلہ ولو کان بعضھم	
لبعض ظھیرا (سورۃ الاسراء ۸۸)	

اور میں سمجھ گیا۔ اس بے نظیر اور اہم بالشان تجربہ پر جو خطیر رقم ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے اپنی جیب خاص سے خرچ کی اس کی انھیں کوئی فکر نہیں، ان کے نزدیک اصل اہمیت ان تحقیقات کے نتائج کی ہے جن کو ذریعہ انھوں نے قرآن مجید کے اعجاز کا ایک مادی، محسوس اور ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال

سراج العلوم کے نام سے نیپال جھنڈا نگر میں پچاس برس سے ایک بڑا دینی مدرسہ قائم ہے، جس میں تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں ۲۰ اشخاص کام کر رہے ہیں، سنو سے زیادہ غریب طلبہ کے قیام وطعام اور دیگر ضروریات کا مفت انتظام کیا جاتا ہے، طلبہ کی تعداد روز افزوں ہے اور مزید عمارتوں کی ضرورت ہے، لڑکیوں کا مدرسہ بھی ضروری ہے، ان کاموں کے لیے دو ڈھائی لاکھ مصارف کا تخمینہ ہے، اس مدرسہ کو کوئی سرکاری مدد نہیں ملتی ہے بس مسلمانوں کے چندہ سے کام چلتا ہے، اصحاب خیر مندرجہ ذیل پتہ پر رقوم بھیجیں۔

عبد الرؤف رحمانی بذریعہ خان کلاتھ ہاؤس۔ ڈھنی بازار۔ ضلع بستی۔

مطبوعات جدیدہ

پروانہ چراغ نزار خود دیم ما - مرتبہ ڈاکٹر محمد شعیب اعظمی تقطیع متوسط کاغذ کتابت وطباعت نفیس صفحات ۲۰۰ مجلد قیمت ۱۲ روپیہ - مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعہ نگر نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵ -

یہ اعظم گڈھ کے مقبول وہردلعزیز طبیب حافظ محمد اسحٰق مرحوم کی سوانح عمری ہے جسے ان کے ہونہار اور سعادت مند فرزند ڈاکٹر محمد شعیب نے بڑی عقیدت سے مرتب کیا ہے، یہ شنیدہ و دیدہ دو حصوں پر مشتمل ہے، اول الذکر میں حکیم صاحب کے اپنے متعلق بیان کردہ واقعات وحالات کو مرتب نے اچھے ڈھنگ سے پیش کیا ہے، اور دیدہ خود ان کے تاثرات و مشاہدات پر مشتمل ہے، دونوں حصوں سے حکیم صاحب کی روزمرہ زندگی، شب وروز کے مشاغل دینی و مذہبی پختگی، قومی وملی خدمات، اور سیرت وکردار کے دلآویز جلوے سامنے آجاتے ہیں، وہ بڑے راسخ العقیدہ مسلمان، پکے قوم پرور اور حاذق طبیب تھے، لیکن طب ان کے نزدیک اکتساب دولت کے بجائے ذریعہ خدمت اور وسیلہ سعادت تھی، ان کی ذات اوصاف ومحامد کا دلکش پیکر تھی، اس کتاب میں ان تمام خصوصیات کا مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے، اپنے پیشہ کی مشغولیت کے باوجود تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانہ ہی سے وہ سیاسی، قومی اور ملی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے، ضلع کے قومی وسماجی کارکنوں کے علاوہ ملک کے ممتاز کانگریسی رہنماؤں، جمعیۃ علمائے ہند کے اکابر، اعظم گڈھ کے علمی، تعلیمی اور ادبی اداروں خصوصاً دار المصنفین، شبلی کالج اور مدرسۃ الاصلاح

کے ارباب بست و کشاد سے ان کے گہرے روابط تھے، ان کا حلقۂ تعارف اور دائرہ احباب بھی وسیع تھا
جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل تھے، اس کتاب میں ان کی ان مختلف سرگرمیوں
اور گوناگوں دلچسپیوں کی روداد کے ساتھ، اعظم گڈھ کی گذشتہ نصف صدی کی قومی جد و جہد کے
واقعات کی سرگذشت اور ان کے احباب کا اجمالی تذکرہ بھی ہے، حکیم صاحب نے اپنے سفر حج
کے دلچسپ حالات و تاثرات خود قلمبند کئے تھے، ان کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے، آخر میں
اعظم گڈھ کی مختصر علمی، ادبی اور سیاسی تاریخ بھی درج ہے، حکیم صاحب نے محض اپنی یادداشت سے
آخر عمر میں یہ حالات و واقعات لکھوائے تھے، اس لئے سنین کی غلطیوں کے علاوہ کہیں کہیں واقعات
بھی ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوگئے ہیں، نوجوان مرتب کو مراجعت کرکے ان کی تصحیح
کر دینی چاہیے تھی، مولانا عبد الرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی کو صاحب مشکوٰۃ اور
مولانا حسین احمد مدنی کو شیخ الہند لکھا گیا ہے، شیخ الہند ان کے استاد مولانا محمود الحسن کا لقب
تھا، مولانا مدنی جانشین شیخ الہند کہلاتے تھے، اعظم گڈھ کے ایک مشہور وکیل شاہ عبد الخالق مرحوم
کے صاحبزادے شاہ عبد المالک وکیل کو انکا بھائی تحریر کیا گیا ہے، زبان و طرز ادا کی بعض خامیاں
بھی ہیں، تاہم پوری کتاب دلچسپ ہے، اور گو یہ مقامی نوعیت کے ایک شخص کا تذکرہ ہے
مگر اس کی دلنواز و متوازن شخصیت اور پاکیزہ سیرت سب کے لیے سبق آموز ہے، کتاب صوری
حیثیت سے بھی جاذب نظر ہے، آخر میں ناموں کا مکمل اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے،

ایک عالمی تاریخ — مرتبہ مولوی محمد عثمان صاحب معروفی تقطیع خورد کاغذ کتابت
و طباعت اچھی صفحات [illegible]، پتہ محمد عثمان معروفی مدرس جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ

اس مختصر کتاب کی حیثیت ایک کشکول کی ہے جو مختلف النوع معلومات پر مشتمل ہے، اس میں
گذشتہ دور کے نامور اشخاص اور اہم واقعات کی تاریخیں درج ہیں، اسلامی دور کے واقعات،

مسلم حکومتوں کی ابتدا و انتہا کے سنین، نامور ان اسلام اور اسلامی علوم و فنون کی کتابوں کا
ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے، آخر میں تقادیم و زیجات کے کئی نقشے بھی دیے گئے ہیں، گو مصنف کے
بعض بیانات میں غلطیاں ہیں، جیسے سنہ [illegible] میں چین میں مسجد کی تعمیر، کہیں کہیں تضاد بھی ہے، جیسے
حضرت داؤدؑ کا زمانہ حضرت موسیٰ سے قبل بھی بتایا گیا ہے، اور بعد بھی، ہندی زبان میں کئے
جانے والے کئی تراجم قرآن کا ذکر رہ گیا ہے، مصنف نے اپنے ذوق کے مطابق بعض باتیں نقل
کی ہیں، اور بعض کو قلم انداز کر دیا ہے، حالانکہ اس طرح کی کتاب میں رجحان طبع کا دخل نہیں ہونا
چاہیے، لیکن ان فروگذاشتوں کے باوجود اس میں بہت سی مفید اور کارآمد باتیں
جمع کر دی گئی ہیں،

اصول فہرست نگاری مشرقی کتاب خانوں کیلئے — مرتبہ جناب محمود حسن نقیر امروہوی تقطیع متوسط، کاغذ بہتر
طباعت ٹائپ صفحات [illegible]، قیمت تحریر نہیں، پتہ انسٹیٹوٹ
آف اسلامک اسٹیڈیز علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

جناب مرتب کتب خانہ انسٹیٹوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ
مشرقی سے وابستہ ہیں، انھوں نے مشرقی کتب خانوں کے بعض پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور
فہرست نگاری کے اصول بیان کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے جو چار ابواب پر مشتمل ہے پہلے
باب میں فہرست سازی کی اہمیت، ضرورت، فوائد اور فہرست کے قدیم نہج اور جدید طرز
پر گفتگو کرکے اس کو زیادہ بہتر اور کارآمد بنانے کی شکل پیش کی گئی ہے، دوسرے باب میں
فہرستوں میں ابتک کے رائج اصول و قواعد کا تنقیدی جائزہ لیکر ان کی خامیوں کی نشاندہی
کی گئی ہے، اس میں مغربی فہرست سازوں کے مشرقی و اسلامی علوم کی کتابوں کو ضمنی
و ثانوی حیثیت دینے کا خاص طور پر ذکر کر کے دکھایا گیا ہے کہ ان کی ترتیب

فہرستوں کا افادہ بہت محدود ہے، تیسرا باب زیادہ اہم ہے، اس میں قدیم عربی و ایرانی اور جدید مغربی ناموں کے فہرستوں میں اندراج کی صورتوں کا ذکر ہے، مصنف نے ناموں کے مختلف اجزا خطاب، کنیت، اصل نام نسب، لقب، نسبت اور تخلص پر علیحدہ علیحدہ بحث کر کے فہرستوں میں ان کے اندراج کے اصول بتائے ہیں اور مثالوں سے واضح کیا ہے کہ ناموں کی ان مختلف صورتوں میں سے کس کو کہاں پہلے درج کیا جانا چاہئے، چوتھے باب میں کتابوں کے اندراج کی بحث کے ضمن میں ان کی مختلف نوعیتوں کا ذکر ہے، اور پھر ہر نوعیت کے اعتبار سے اندراج کے قاعدے تجویز کئے گئے ہیں، اس میں کتابوں اور مصنفین کے متعلق مواد و معلومات کے مراجع کے علاوہ اس کا بھی ذکر ہے، کہ فہرستوں میں کس قسم کے وضاحتی بیان شامل کئے جائیں مصنف نے جو اصول و سفارشات تجویز کئے ہیں، ان سے چاہے کسی کو مکمل اتفاق نہ ہو تاہم انھوں نے غور و فکر سے یہ قاعدے اور اصول متعین کئے ہیں، مشرقی کتب خانوں کی ترتیب و تنظیم، اور فہرست سازی میں اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

لالہ و گل۔ از مولوی عبد المعبود صاحب نادان بستوی تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۳۲ قیمت ۵۰ پیسے ناشر علمی کتاب گھر، شاہ گنج جونپور۔

مولوی عبد المعبود صاحب نادان بستوی، شعر و سخن کا ذوق رکھتے ہیں، انھوں نے اپنے دوستوں کی شادی کے موقع پر جو سہرے کہے تھے، ان کو اس مختصر مجموعہ میں یکجا کر دیا ہے، اس کے ساتھ حمد و نعت بھی ہے، اور چند اشعار حکمیہ سے متعلق بھی ہیں،

"ض"

جلد ۱۱۷ ماہ مئی ۱۹۷۶ء مطابق ماہ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ عدد ۵

مضامین

مقالات

وفیات

ادبیات